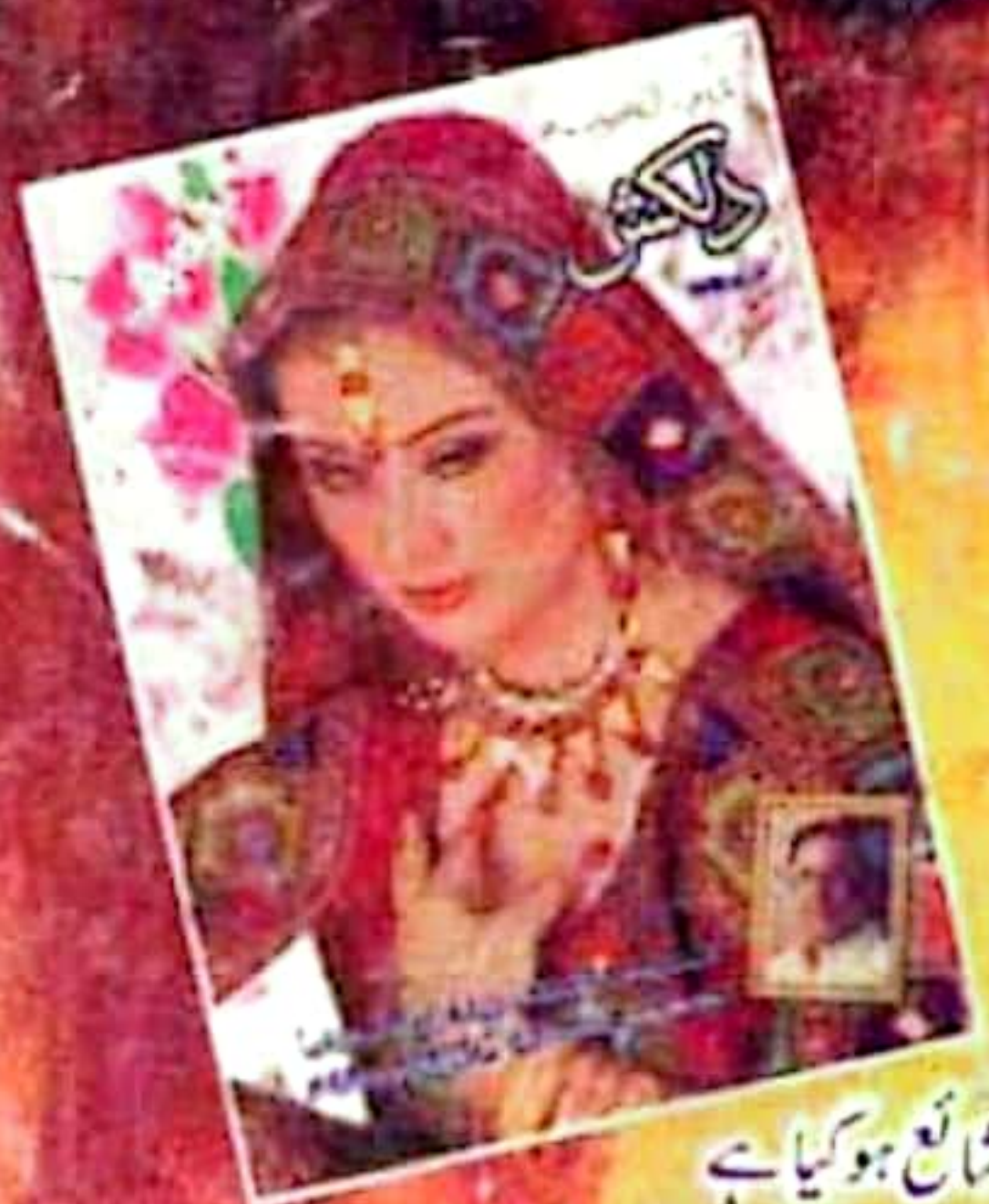


گھر کے ہر فرد کے لئے

پاکستان

چھٹوری
2008
سال نو مبارک

عید مبارک



دلکش کا تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے

گرگاہوا

عالیہ بخاری

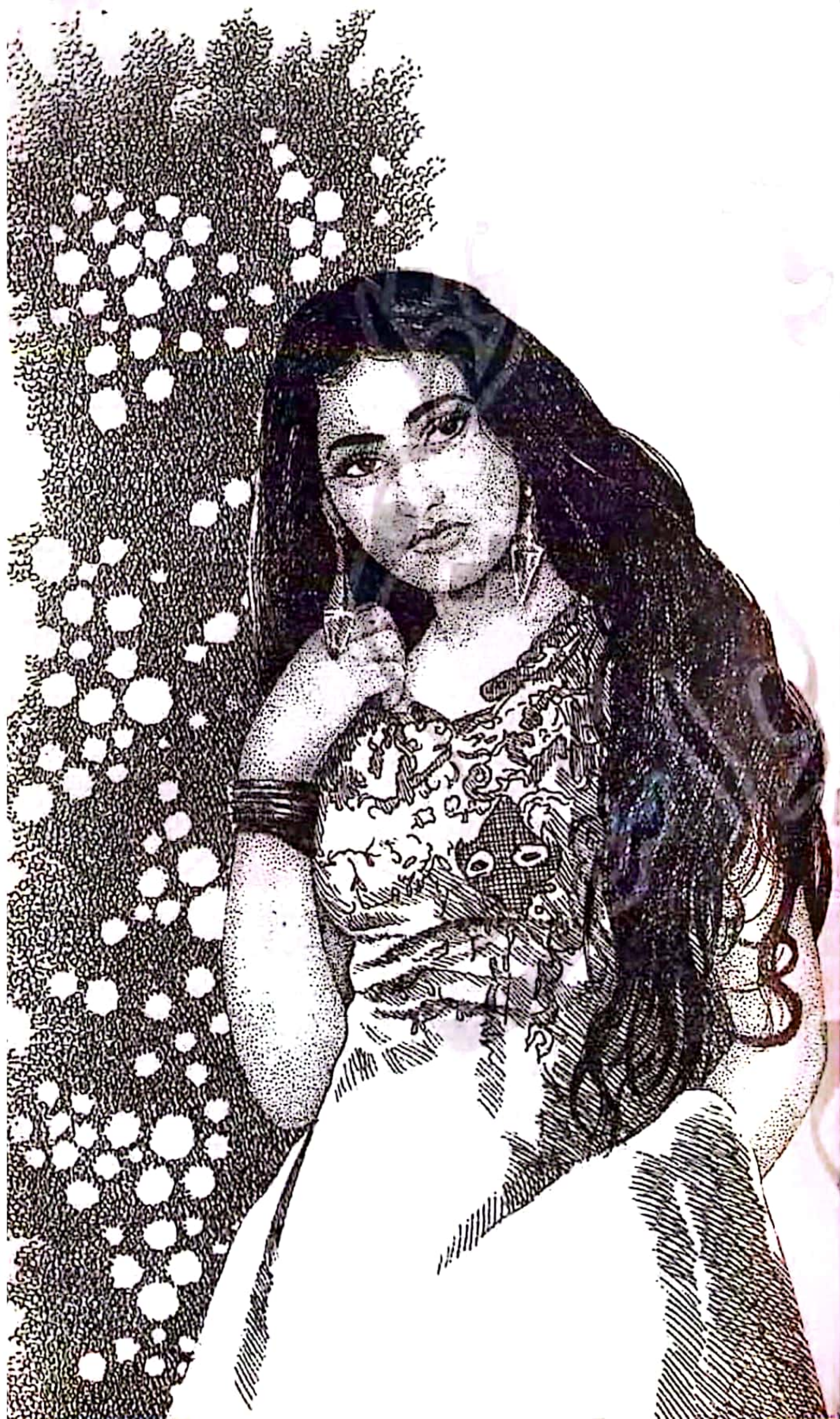
digestlibrary.com



گارمنٹ فیکٹری کی ملازمت ان تینوں کے درمیان دوستی کی بنیاد بنی تھی۔ ایچ سیون کی بس میں، شہر کے تین مختلف حصوں سے چڑھنا اترنا، ان تینوں ہی کا روز کا معمول تھا مگر ”نئی روشنی“ اسکول والے اسٹاپ پر وہ تینوں اکٹھی پہلی بار ہی اس روز اتری تھیں۔ سوئے اتفاق ان تینوں کے علاوہ اس اسٹاپ پر کوئی اور مسافر اس وقت نہیں تھا۔ ایک دوسرے پر جھجکتی سی نگاہ ڈال کر وہ تینوں آپس میں بنا کچھ کہے اپنا اپنا منزل کی

ناولٹ





سب یہی دوستی ٹھہری جو محض اتفاقاً ہی وجود میں آ گئی تھی۔ مزا جا بے حد مختلف ہونے کے باوجود بھی ایک چیز جو تینوں میں مشترک تھی، وہ تھے ان کے حالات و معاشی بد حالی اور ذلت دار یوں کا بوجھ، ان تینوں کو یہی یکسانیت بہت تیزی سے قریب لائی تھی۔ یکساں امارت فاصلے بڑھاتی ہے مگر ایک سی تنگ حالی بڑی جلدی سارے تکلف اور فاصلے ختم کر دیتی ہے۔ نہ ہی ٹگینہ کو ان دونوں سے آئے دن بس کا کرایہ مانگنے میں جھجک رہی، نہ ہی بھیلہ کو گنتی کے چار جوڑوں کو بار بار پہن کر آنے میں کوئی شرمندگی ہوئی اور نہ ہی شالی کو اپنے لٹچ پاکس میں پراٹھے کے ساتھ صرف اچار رکھ کر لانا ہی برا لگتا۔

سارا دن مشینوں کی گھر گھر، میں گھرے رہ کر بھی وہ لوگ اتنی ڈھیر ساری باتیں کرنے کے لیے وقت نکالے ہی رکھتی تھیں۔ انچارج سکیئر آپا نے پہلے پہل تو ان تینوں کو بڑے سارے ہال کے تین مختلف کونوں میں بٹھایا، ان کی تجربہ کار آنکھوں نے پہلے ہی دن ان لوگوں کی آپس کی کیمٹری کو بھانپ لیا تھا۔ اس طرح کی دوستیاں، کام میں رخنے کا سبب بنتی ہیں اور کسی پرائیویٹ سیکٹر میں یہی بات سب سے زیادہ ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ یہاں روز کا ٹارگٹ سامنے جوتا جسے پورا کر کے مالکوں کو دینا ہی پڑتا، بعض اوقات تو اوور ٹائم بھی کرنا ضروری ہو جاتا تھا۔

”دیکھ لیتا، ان سکیئر آپا کو تو میں کیسے شیشے میں اتارتی ہوں، فکر ہی مت کرو!“ ٹگینہ نے اپنا دھوئی بچ کر دکھایا اور مہینہ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ وہ لوگ بالکل ہی قریب قریب کی سیٹوں پر بیٹھنے لگیں۔

”لڑکیاں محنتی ہیں اور خوش اخلاق بھی، ورکر اپنا کام لگن اور ایمانداری سے کرے تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر اس کا چچھا پکڑے رہیں۔“ سکیئر آپا نے کام کرنے والی دوسری عورتوں کے سامنے ان تینوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ اب ٹگینہ اور بھیلہ بالکل آگے پیچھے بیٹھنے لگی تھیں اور شالی ان کے دائیں ہاتھ پر۔ ”میں نے کیا کہا تھا، سکیئر آپا کو کٹھن میں لیتا میرا

طرف روانہ ہو سکتی تھیں چند منٹ میں ہی اندازہ ہو گیا کہ منزل مقصود غالباً ایک ہی ہے۔

”ستار بھائی کی گارمنٹ فیکٹری میں جا رہی ہیں؟“ ٹگینہ کا اتنا پوچھ لینا ہی ابتدائی تعارف کا بہانہ بن گیا۔ ان دونوں کے ہاتھ میں تھامے ہوئے اپنے جیسے ستے پرس اور پلاسٹک کی تھیلی میں رکھا لٹچ پاکس دیکھ کر اس نے جو اندازہ لگایا تھا وہ بالکل درست تھا۔

ستار بھائی کی فیکٹری میں یہ ان تینوں کا پہلا دن تھا۔ نیا اسکول، نیا محکمہ، نئی نوکری اور نئی رشتے داری کا آغاز کرتے ہوئے جو فطری سی گھبراہٹ دل پر طاری ہوتی ہے، وہی ان تینوں کو ایک دم قریب لانے میں مددگار ثابت ہوئی تھی۔

”سنائے ستار بھائی، کام کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ ورکر کو سارا دن، ذرا سا بھی ریٹ نہیں لینے دیتے؟“ بھیلہ نے ستار بھائی سے جڑی سب سے معروف ”خوبی“ پریشان کن سے لہجے میں بیان کی۔

”ارے کچھ نہیں ہوتا، دو چار دن لگتے ہیں سیٹ ہونے میں، میں پہلے بھی کام کر چکی ہوں، ہر وقت مالک تھوڑی سر پر بیٹھے رہتے ہیں، چار فیکٹریاں ہیں ان کی، میں پہلے دوسری فیکٹری میں کام کرتی تھی ان کی، ہمارا سسٹم اچھی طرح سمجھتی ہوں!“ اپنا نئی جگہ والا خوف، خوبی سے چھپا کر ٹگینہ نے اپنی دونوں ساتھیوں کی طرف ذرا آخریہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ دونوں پہلی بار، بغرض ملازمت نکلی تھیں، ٹگینہ کی اس سیناریو سے بے حد متاثر ہوئیں۔

”پھر وہ نوکری تم نے کیوں چھوڑ دی؟“ شالی نے فوراً ہی پوچھا۔

”نو چھوڑی کہاں، وہ تو فیکٹری ہی دوسری جگہ شفٹ ہوئی۔ بہت دور پڑتی تھی ورنہ انچارج تو بہت خوشامد کر رہی تھی کہ میں ان کے ہاں کام نہ چھوڑوں، میرے جیسی ورکر.....!“

اسٹاپ سے فیکٹری تک کے فاصلے کو طے کرتے ہوئے وہ تینوں اپنا درمیانی فاصلہ ختم کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہی تھیں۔ فیکٹری میں ان کی شناخت کا

کام ہے۔ تم دونوں بے وقوف تو بے کار میں ہی گھبرا
 بنا ہو۔ ”مکینہ کی ”سینیارٹی“ واقعی بڑے کام آئی تھی۔
 شالی اور بھیلہ نے اس کی بالادستی، دل و جان کے
 ساتھ نوالہ کی تھی۔ مکینہ بولتی بھی بہت تھی اور عادتاً شوخ
 بھی تھی۔ بہت دیر تک ایک جگہ بیٹھے رہنا بھی اس کے
 لیے مشکل کام تھا۔ اپنی پیاری دوستوں کو چھوڑ کر، موقع
 ملے ہی وہ ادھر ادھر چکر لگاتی اور چند منٹوں میں ہی
 خبر سازی خبریں جمع کر لاتی۔

”بائیں ہاتھ والی لائن کے بالکل آخر میں بیٹھنے
 والی سلمیٰ کے میاں نے آج پھر اسے پیٹا ہے۔ آنکھ کے
 قریب نمل پڑا ہوا ہے۔ بہت رو رہی ہے غریب!“ اس
 روز کی تازہ خبر یہی تھی۔

”بلاغ تو ٹھیک ہے اس کے میاں کا، بے چاری
 اتنی شریف اور سیدھی سادی ہے، سارا دن سر جھکائے
 کام میں لگی رہتی ہے!“ بھیلہ کو سن کر بڑا ہی تاؤ آیا۔
 سلمیٰ واقعی بڑی شریف عورت تھی محض اپنے کام
 سے کام رکھنے والی مگر قسمت میں لکھا سکھ، محض خوبیوں کا
 مردانہ منت کب ہوتا ہے؟ یہ تو کوئی اور ہی سلسلہ ہے۔
 ”اس کا میاں کہتا ہے کہ تین سال میں ایک بچہ
 بھی پیدا نہیں کر سکی ایسی عورت کس کام کی، کسی وقت بھی
 نکال باہر کروں گا!“ بے نیازی سے سر جھٹک کر، مکینہ
 نے سلمیٰ سے ستا فقرہ من و عن دہرایا۔

”مکینہ کہیں کا!“ پاس بیٹھی شالی کے کان بھی
 ادھر رہتی لگے ہوئے تھے۔ ”بے چاری سلمیٰ کا کیا تصور،
 ایک تو اس کھلو، آوارہ آدمی کو کما کر کھلا رہی ہے پھر بھی
 اس کیسے لینے دیتا۔ میں تو کہتی ہوں اس سے پہلے وہ
 سلمیٰ کو خود علیحدگی کا فیصلہ کر لینا چاہیے!“ شالی
 نے مکینہ کی بات سن کر تین تین ماہ اور سترہ دن بعد شوہر نے
 اسے باہر کر دیا تھا۔ سواب وہ اپنی زحمت انا
 کی مرہم پٹی کے لیے زمانے بھر کی عورتوں کو ایسے ہی
 دیا کرتی تھی۔ اپنی ستم ظریفی کا قصہ مختصر الفاظ
 میں تو اس نے پہلے ہی دن، ان دونوں کو سنا دیا تھا مگر
 فیصلات تقریباً روزانہ ہی دہرائی جاتی تھیں۔

”مردا اگر فطرتاً گھٹیا ہے تو وہ ہمیشہ گھٹیا ہی رہے گا۔
 یہ جو لوگ کہتے ہیں نا کہ صبر کرو، وقت کے ساتھ سب
 ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ محض طفل تسلی والی بات ہے۔ میں
 نے ویسے کے اگلے دن ہی بڑی بہن سے کہہ دیا تھا کہ
 اشرف کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی مرضی کہیں اور تھی
 محض خالہ خالو نے زبردستی شادی کی ہے مجھ سے!“
 گردن موڑ کر پیچھے بیٹھی، آنسو صاف کرتی سلمیٰ کو دیکھ
 کر، شالی کو پھر سے پچھتاوے گھیرنے لگے۔

”مگر میری آپا! لگی ہاتھ پاؤں جوڑنے کہ بس
 اب کسی اور کے سامنے کوئی لفظ منہ سے نہ نکالیو، سب
 ٹھیک ہو جائے گا آہستہ آہستہ، مرے ہوئے باپ کی
 عزت کا واسطہ دینے لگی پھر جب تین ماہ بعد اس اشرف
 نے دھکا مار مار کر دروازے سے باہر کیا۔ اس وقت سر پر
 نہ برقع نہ چادر، گلی میں جھاڑو لگانی بجھتے اپنی چادر
 میرے سر پر ڈالی۔ اس وقت ابا کی عزت کو بہت چار
 چاند لگے!“ شالی کی آواز رندھنے لگی۔ اس کے ساتھ
 ہوا بھی بہت برا تھا۔

”دفع کرو اس قصے کو، کیوں بار بار یاد کر کے خود کو
 دکھی کرتی ہو۔ وہ تو آرام سے رہ رہا ہوگا۔ اپنے کیے پر
 ذرا بھی شرمندہ ہوئے بغیر تم یوں ہی آدھا وقت جل کر
 اور باقی آدھا وقت رو کر اپنی جان گھلائے دے رہی
 ہو!“ بھیلہ نے اس کے شانے کو نرمی سے تھپتھپایا۔

”سنا ہے، پھر سے اسی عورت کے ہاں آنا جانا
 بڑھ گیا ہے اس کا، گھر سے بھی بھاگا رہتا ہے اور نوکری
 سے بھی، کیا خبر نکاح بھی پڑھوایا ہو!“ نظریں نیچی کیے،
 وہ ہلکے سے بولی تو مکینہ ایک دم ہی ہنس پڑی۔
 ”تم اس کے بارے میں خبریں ساری رکھتی ہو۔“

آخر ضرورت کیا ہے؟
 ”خبر کیا رکھنی ہے، خاندان ایک ہے۔ رشتے دار
 آتے ہیں تو خود ہی بتا جاتے ہیں!“ ایک ٹھنڈی سانس
 لے کر شالی سامنے رکھی مشین کی طرف پھر سے متوجہ
 ہو گئی۔

”اچھا اب سیشن ختم، ابھی تم لوگوں کو چکن پیٹیز
 کھلاتی ہوں لی بیک میں، سامنے والی بیکری میں

بڑے زبردست بنتے ہیں۔“ نگینہ نے کہا۔

”تم نے کب کھائے؟“ بجیلہ نے مشکوک سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”کھالیے ہیں، کسی کی مہربانی سے!“ وہ جواباً پھر سے ہنس پڑی اور پھر ”ابھی آئی“ کہہ کر باہر کی طرف چلی گئی۔

شالی اور بجیلہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے، دوبارہ اپنے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ نگینہ، واقعی دومنٹ میں ہی واپس آ گئی تھی۔ سکیٹہ آپا، ٹی بریک سے ذرا پہلے راؤنڈ لیتی تھیں چند منٹ میں ہی ان کا راؤنڈ شروع ہوا، وہ تینوں بڑے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھیں۔

”شاباش، اسی طرح محنت سے کام کرتی رہو، جلد ہی تمہارے پیسے بھی بڑھوا دوں گی اور چاہو گی تو اور ٹائم بھی دلوادوں گی۔“

”ہمارے لیے تو یہی انعام ہے کہ آپ ہم تینوں سے خوش ہیں ورنہ ادھر ستار بھائی کی دوسری فیکٹری کی انچارج صفراں آپا! آف تو یہ!“ چالپوس سی مسکراہٹ کے ساتھ نگینہ نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا ”ایمان سے سکیٹہ آپا، اتنی بدتمیز عورت شاید آپ نے بھی دیکھی بھی نہ ہو۔“

”ارے دیکھ رکھی ہے میرے پاس ہی تو کام کر کے گئی ہے۔ معلوم نہیں کیسے انچارج بن گئی وہاں میں نے تو اسے کبھی منہ نہیں لگایا تھا۔“ سکیٹہ آپا کی وہی روایتی سی ”پروفیشنل جیلسی“ تھی۔ جذباتی ہو کر، چند منٹ اسی میں الجھی رہیں۔ وقت کا یہ چھوٹا سا وقفہ، وہیں کھڑے کھڑے تمام ہو گیا۔ جہاں تک وہ نہیں جاپاکی تھیں وہاں بیٹھی ساری ورکرز نے بھی سکون کا سانس لیا۔

”نگینہ، ٹی بریک کے بعد تم سارے میں ایک چکر لگا کر مجھے رپورٹ دینا، آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ذرا۔“ ہدایت دے کر، وہ واپس مڑ چکی تھیں۔ ایک طرف پارٹیشن کر کے ان کا چھوٹا سا آفس قائم تھا۔ چکن پیٹیز واقعی چائے کے ساتھ موجود تھے اور دو نہ چار

پورے درجن بھر!

”اتنے سارے ہم کیسے کھائیں گے؟“ بجیلہ نے کچھ الجھ کر، ان مہک اڑاتے، گرم گرم پیٹیز کی طرف دیکھا۔

”کچھ ہم کھائیں گے اور کچھ دوسروں کو کھلا دیں گے۔ سلی بے چاری آج بہت رو دھو کر بیٹھی ہوئی ہے اسے دے کر آئی ہوں اور دو پیٹیز جا کر سکیٹہ آپا کو کھلاتی ہوں۔ دیکھنا کیسی خوش ہوتی ہیں!“ وہ مزے سے مسکراتی ہوئی چل دی۔

معلوم نہیں اتنے سارے پیسے اس کے پاس آئے کہاں سے تھے۔ ورنہ آئے دن تو اس کا بس کا کرایہ بھی ان ہی دونوں میں سے کوئی ایک بھرا کرتا تھا۔ نگینہ واپس آئی، تو بجیلہ نے سب سے پہلے یہی سوال کیا۔

”میرے پاس کب تھے پیسے۔ کسی سے فرمائش کی تھی۔ بے چارہ سر کے بل دوڑا گیا پوری کرنے کے لیے!“ نگینہ کے چہرے پر بڑی فخریہ سی مسکراہٹ تھی۔ ”بہت بری بات ہے نگینہ!“ بجیلہ کے حلق میں دو خوش ذائقہ پیٹیز پھنسنے لگا۔ ”ایچ خراب ہوتا ہے ایسی باتوں سے۔ ہم یہاں کام کرنے آرہے ہیں۔ ایسی ویسی باتیں نہیں بنی چاہئیں۔“

”ارے سب چلتا ہے۔“ نگینہ نے ہاتھ ہلاتے جیسے مکھی اڑائی۔ ”کام تو کر ہی رہے ہیں۔ تھوڑی سی دل لگی بھی ساتھ چلے تو کیا حرج ہے!“ بجیلہ کو پتا تھا کہ کوئی ایسا ہی جواب سننے کو ملے گا۔

نگینہ اور مزاج کی لڑکی تھی۔ شوخ، زندہ دل اور انتہائی غیر محتاط۔ مکی محلے کے کتنے ہی چھوٹے موٹے عشق بھگتا چکی تھی، اپنے دو انتہائی بد مزاج بھائیوں کو خاطر میں لائے بغیر۔ میٹرک میں تین سال مستقل ملنے ہونے کے بعد اس کا خالی گھر میں بیٹھنا اور بھی خطرناک لگنے لگا تھا بھائیوں کو، سو وہ اس۔۔۔ تا کا جھانکی سے بچانے کے لیے نوکری کی اجازت دینے پر مجبور ہوئے تھے۔

”اچھا ہے صبح سے شام تک وہیں رہے گی پابندی

میں۔ پھر عورتوں میں ہی سارا کام ہے!“ ایک بھائی نے سارا بھائی کی چاروں فیکٹریوں کا دورہ کر کے یہ بیان بخش رپورٹ مرتب کی تھی مگر مگینہ کے لیے رد اس نے ناگزیر تھا۔

”سچی بات ہے زندگی میں کوئی چاہنے والا نہ ہو تو زندگی بالکل بے کار ہے۔ کوئی میٹھی میٹھی باتیں کرتا آئے پیچھے پھرے تو دماغ خود بخود ساتویں آسمان پر پہنچتا ہے۔ مجھ سے تو ایسی روکھی پھکی زندگی نہیں گزار دی جاسکتی۔ معاف کرو!“ لڑکیوں کے اخلاق و کردار کی اہمیت پر ایک چھوٹی سی تقریر جو بیلہ نے ان کے سدھارنے کی غرض سے کی تھی اس کے جواب میں مگینہ نے ہاتھ جوڑے۔

”تو پھر سیدھے سیدھے شادی کر لو، کرتی رہنا سارے ارمان پورے۔ مگر یہ سب تو ٹھیک نہیں ہے!“ بیلہ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ ایک ہی سانس میں چٹائی گئی۔

”شادی بھی ہو جائے گی۔ ابھی تو زندگی کو انجوائے کر لیں اور کوئی برائی بھی تو ہو۔ بس یوں ہی تھوڑا سا دل خوش کر لیتے ہیں اور کیا.....!“ مگینہ کو سمجھانا آسان نہیں تھا۔ بیلہ کو اس کے مزاج پر حیرت ہوتی تھی اسے یہ ڈر بھی نہیں لگتا تھا کہ کل کو اس کے شوہر کو ان باتوں کا ذرا سا بھی علم ہوا تو کتنا برا ہوگا۔ خود اس کا تو دور دور بھی کوئی ایسا سلسلہ نہیں تھا۔ پھر بھی احمر کی جواب طلبی کا خوف ہر وقت ہی سر پر سوار رہتا تھا۔ اسے وہیں بیٹھے بیٹھے احمر یاد آیا تو دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔

”معلوم نہیں، اس کے آج کے انٹرویو کا کیا بنا گا؟ اس بار تو بات بن ہی جائے خدا کرے۔“ کتنے سارے نفل اس نے احمر کی کامیابی کے لیے مان گئے تھے۔ جانے کیا مسئلہ تھا جو حل ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ انتظار کی طوالت جب اسے تھکانے لگتی ہے تو بے چارے احمر کی مینشن کی وجہ تو سمجھ ہی آتی ہے۔ احمر نے نام کے ساتھ سوچ کا لافنا ہی سلسلہ جڑا ہوا تھا اس کا دل پھر کسی بات میں سارا دن لگ ہی نہیں سکا۔ شالی المگینہ نے ایک آدھ بار اس کی غائب دماغی کو نوٹ

کر کے پوچھا بھی مگر وہ ٹال گئی۔ چھٹی کے وقت وہ تینوں ایک ساتھ ہی بڑے ہال سے باہر آئیں۔ باہر کچہریل کے چھجے والا لمبا سا برآمدہ تھا جس پر گہرے پیلے رنگ کے پھولوں والی نیل بنا روک ٹوک کے پھیلتی ہی چلی جا رہی تھی۔ لڑکیاں اس برآمدے میں رک کر اپنی تھکن کو دور کرنے کی کوشش کیا کرتی تھیں۔

چادریں، اسکارف سنبھالتے ہوئے، وہ باتیں بھی کرتی جاتی تھیں جو سارا دن میں نہیں ہو پاتی تھیں۔ بیلہ، مگینہ اور شالی ایک ساتھ ہی فیکٹری سے نکلا کرتی تھیں۔ مگر اس وقت مگینہ نظر نہیں آ رہی تھی شالی، کمپاؤنڈ طے کر کے اس کے آگے گیٹ تک دیکھ کر بھی آئی مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”مگینہ.....! اے تو میں نے اس طرف جاتے دیکھا تھا۔“ ایک ساتھی لڑکی نے بیلہ کے استفسار پر برآمدے کے دوسرے سرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ اس طرف فیکٹری کا آفس تھا جہاں فیکٹری کے حسابات چیک کرنے کے لیے دو کلرک بیٹھا کرتے تھے۔ لڑکیاں عموماً اس طرف نہیں جایا کرتی تھیں۔ ان کا تمام تر ساتھ سیکنہ آ پا کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ مگینہ کو وہاں سے ایسا کون سا کام پڑ گیا تھا؟ شالی اور بیلہ دونوں ہی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ چند منٹ بعد مگینہ خود ہی آ گئی۔

”کچھ نہیں، بس معلوم کر رہی تھی کہ اگر ہفتے میں چار دن اور ٹائم کریں تو مہینے میں کتنے پیسے بن جاتے ہیں!“ بے پروائی سے کہتے ہوئے وہ اپنی چیزیں اٹھانے لگی۔

”یہ بات تو تم سیکنہ آ پا سے بھی پوچھ سکتی تھیں۔“ شالی اعتراض کے بغیر نہیں رہ سکی۔

”وہ صحیح تھوڑی بتاتیں، بڑی صفائی سے یہ انچارج لوگ کٹوتی کر لیتی ہیں۔“ مگینہ نے کہا۔

”اچھا!“ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی، وہ دونوں اس سے متفق ہو گئیں۔



بیلہ گھر پہنچی تو حسب معمول سناٹا تھا۔ دروازہ

صدف نے کھولا تھا۔ ”اسی۔ برابر والی خالہ کے گھر گئی ہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے!“ اس نے جیلہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اطلاع دی۔

”اچھا!“ وہ کچھ چپ سی ہو گئی۔ کوئی نئی بات بھی نہیں تھی۔ امی کا یہ وقت اکثر ہی اس طرح کے خیر سگالی دوروں میں گزرتا تھا اور اب عصر کی نماز کے لیے نکلتے تو عشا پڑھ کر ہی گھر آتے۔ پہلے تو کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا تھا مگر آج ایک دم ہی اس کو صدف کا اتنی دیر گھر پر اکیلے رہنا کھلا تھا۔ وہ کم عمر تھی۔ انٹر کا پرائیویٹ امتحان دے رہی تھی۔ پڑھنے کی کوئی خاص شوقین بھی نہیں تھی۔ فرصت اور تنہائی دونوں ہی اس عمر میں غلطی کا کوئی امکان پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔

”کوئی آیا تو نہیں تھا؟“ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے، جیلہ نے کچھ اندازہ لگانا چاہا۔

”احمر بھائی آئے تھے، کافی دیر بیٹھے رہے۔ تمہارا پوچھ رہے تھے!“ صدف نے کہا۔

”کب آئے تھے۔ کیا ابھی.....؟“ بہت مشکوک سا ہو کر اس نے پوچھا۔

”ابھی کہاں، وہ تو دوپہر کو آئے تھے۔ بہت دیر امی کے پاس بیٹھے رہے، دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھایا تھا، میں تمہارے لیے چائے لائی ہوں!“ وہ بے پروائی سے کہتی ہوئی کچن کی طرف مڑ گئی جیلہ کو اطمینان بھی ہوا اور شرمندگی بھی۔

”خدا نہ کرے، ہر ایک خراب ہی تھوڑی ہوتا ہے اور احمر تو بالکل بھی نہیں، بے حد محبت کرتا ہے مجھ سے بچپن کی منگنی ہے کوئی مذاق تھوڑی ہے۔“ خود کو باور کراتے ہوئے اسے سارا تصور نگینہ کا نظر آنے لگا۔

”نگینہ کی دوستی، دماغ میں ایسے الٹے سیدھے خیال بھر رہی ہے کہ ہر ایک بات پر شک سا ہونے لگا ہے۔ پھر بھی صدف کا اتنی دیر تک گھر پر تنہا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ بات امی کے ضرور ہی گوش گزار کرنی ہے۔“

”احمر کا انٹرویو کیسا ہوا.....؟“ صدف چائے لے کر آئی تو اس نے بڑی امید سے پوچھا۔

”پتا نہیں، میں نے تو پوچھا نہیں، شاید اماں کو معلوم ہو۔ میں تو کھانا پکا رہی تھی۔“ صدف نے بے پروائی سے جواب دیا۔

”کیا پکایا تھا؟“ جیلہ نے پوچھا۔

”آلو پالک اور مونگ کی دال!“ صدف نے بتایا۔

”امی سے کہہ کر قیمہ ہی منگوا لیتیں!“ جیلہ کو افسوس سا ہوا، آج احمر نے کتنے ہی دن بعد یہاں کھانا کھایا تھا۔

”مہینہ ختم ہو رہا ہے آپلی اور ابھی پہلی آنے میں تین دن باقی ہیں۔“ صدف کے جواب کے بعد بحث کی گنجائش نہیں تھی۔ ابا کی پنشن اور اور بنے ایک کمرے، کچن، واش روم کا مختصر سا کرایہ، گھر کی گزر بسر کھینچ مان کر ہی محدود رقم میں ہو رہی تھی۔ کئی سال سے اس نے گھر پر ٹیوشن کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا مگر آس پاس بسنے والوں کے حالات بھی ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھے۔ کوئی بھی سو دو سو سے زیادہ دینے کو تیار نہیں ہوتا تھا اور اس پر بھی ایک بڑے بچے کے ساتھ کسی چھوٹے کو منسلک کر دیا جاتا۔ ”اسے بھی بٹھالو، کچھ تھوڑا بہت بتا دیا کرو اسے بھی!“ وہ مارے مروت کے منے میاں کے ساتھ بھی دماغ سوزی کیے جاتی۔

ظہر سے کھلا کتب، عشا تک چلتا ہی رہتا اور مہینے کے آخر میں ہاتھ آتے محض پانچ چھ سو روپے تک آ کر اسے سوشل ورک کا یہ سلسلہ بند ہی کرنا پڑ گیا۔

اب یہاں ستار بھائی کی گارمنٹ فیکٹری میں اگر وقت کا دورانیہ لمبا تھا تو کم از کم پیسے بھی اتنے تو مل ہی رہے تھے کہ فراغت کا احساس ہونے لگتا تھا۔ مہینے کے ابتدائی ہفتے میں ہی سہی۔ پچھلے مہینے اس نے اپنے امی اور صدف کے لیے کاشن کے سوٹ خریدے، پانچ سو روپے احمر نے ادھار لیے۔ اس سے پچھلے مہینے میں احمر کی سالگرہ تھی۔ پچھو کئی دن پہلے سے یاد دلانا شروع کر دیتی تھیں۔ انہیں بڑا ارمان ہوتا تھا کہ احمر کے لیے عیدی، بقر عید کے علاوہ سالگرہ اور نئے سال پر بھی ہونے والی سسرال سے ”گفٹ“ آئیں۔ جیلہ کو امی کی

ٹینشن دور کرنے کے لیے کئی ماہ پہلے ہی سے بچت شروع کرنی پڑتی تھی۔ اس بار ذرا آسانی رہی تھی۔

احمر کے لیے تحائف تو اچھے چلے گئے تھے پر باقی مہینے ہاتھ ذرا کھینچ کر رکھنا پڑا تھا۔ اب اس مہینے کے لیے بھی اس کے ذہن میں کئی پروگرام تھے۔ ابا کے لیے دو نئے سوٹ، ذرا اچھے کپڑے کے، ان کے سارے ہی جوڑے دھل دھل کر اپنا رنگ کھو بیٹھے تھے۔ بجیلہ کو پتا تھا کہ وہ نہ تو کبھی کسی کی کا اظہار کریں گے اور نہ ہی خود سے اپنے لیے کچھ خرید کر لائیں گے یہ کام اسے ہی کرنا تھا۔

”اور کیا خبر، احمر بھی پانچ سو واپس کر دے تو پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہ رہے۔“ اس نے دل ہی دل میں کچھ اور جمع جوڑکی۔

احمر اس بار اتوار کو آیا۔ بجیلہ گھر پر ہی تھی۔ صدف صفائی کر رہی تھی اور وہ خود جلدی جلدی کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ کام سے فارغ ہو کر بازار جانے کا پروگرام تھا۔ احمر دروازے سے سیدھا کچن میں چلا آیا۔ ”شکر ہے، تم گھر پر ملیں تو سہی بہت دل لگتا ہے تمہارا اپنی فیکٹری میں!“ اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا مگر آج وہ اتنے دن بعد دکھائی دیا تھا کہ وہ اس خوشی میں بہ آسانی اس کے طنز کو نظر انداز کر گئی۔

”کیسے ہو، پھپھو کو بھی لے کر آنا تھا نا، کتنے دن ہو گئے ان سے ملے ہوئے!“ گو ان کے ہاں کوئی پابندی نہیں تھی اور بچپن کی اس متلنی کو بڑے سرسری سے انداز میں لیا جاتا تھا مگر وہ خود ہی شروع سے ان کے ہاں جانے میں بڑی محتاط رہا کرتی تھی۔ پھپھو، ان کی بیٹیوں اور خود احمر کو اس بات کا گلارہتا تھا۔

”اگر وہ نہیں آئیں تو تم کون سا نہیں پوچھنے کے لیے چلی گئیں۔ انہیں تو دیے بھی گھر سے نکلنے کی عادت نہیں ہے!“ بجیلہ مسکراتے ہوئے اس سے چائے کا پوچھنے لگی۔

”چائے تو پیوں گا مگر کھانا بھی کھاؤں گا، آج مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں!“ باہر پر آمدے میں سے امی، احمر کو آواز دے رہی تھیں۔ ابا گھر پر ہی

تھے اور انہیں یہی خدشہ ہو رہا تھا کہ احمر کو وہاں بجیلہ کے سر پر کھڑا دیکھ کر وہ حسبِ عادت اعتراض کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔

احمر ان کے پاس چلا گیا تو بجیلہ نے آج کے ”مینو“ پر نظر ثانی کی۔ فقط آلو، بیٹکن اور روٹی! کچھلی بار بھی جب وہ اس کی غیر موجودگی میں آیا تھا تب بھی، دال پالک کھا کر گیا تھا۔ آج تو کچھ تلافی کرنا لازمی تھا۔ ”اب یہ آ کر بیٹھے گئے ہیں، بازار جانا تو گیا بھار میں!“ صدف بے زاری ہوئی کچن میں آئی تو وہ پرس میں سے نکال کر لائے پیسے پکڑے کھڑی تھی۔

”برابر میں خالہ سے کہنا کہ کسی کو بھیج کر ایک کلو چاول اور ایک ہی کلو چکن منگوادیں اور ساتھ میں.....!“ ایک چھوٹی موٹی سی لسٹ، اس ہنگامی دعوت کے سلسلے میں تیار ہو ہی گئی تھی۔

”بہت پیسے خرچ ہو جائیں گے آپا، احمر بھائی کوئی مہمان تھوڑی ہیں اور ان کے اپنے گھر میں ایسا کیا پکا ہے۔ کچھلی بار جب میں اور امی گئے تھے تو پھپھو نے بغیر بگھار کی ہوئی دال سامنے رکھ دی تھی، نہ چاول نہ کوئی سلاوا اور چٹنی، بس روٹی کے ساتھ دال کھا کر ہم واپس اپنے گھر آ گئے تھے۔ پھپھو کے ہاں کی مدارات صدف کے دل کو بڑی لگی تھیں۔ آئے وقت اسی کا قصہ چھیڑے رکھتی چھوٹے سے کچن کے اس طرف برآمدہ تھا۔ یہاں سے وہاں آواز جانے میں کون سی دیر لگتی۔ بجیلہ کو اس کو خاموش رکھنے کے لیے ہاتھ تک جوڑنے پڑے۔

”بہت اچھی بہن ہے میری، شاباش خالہ کے ہاں چلی جا بھاگ کر!“ صدف منہ بناتی ہوئی پانچ سو کے نوٹ کو ہاتھ میں تھام کر گئی تو اسے تھوڑا اطمینان ہوا۔

صدف کو بازار نہ جانے کا بڑا ہی رنج تھا۔ اس غریب کے پاس آنے جانے کے چند گئے پٹے ہی ”آپشن“ ہوتے تھے سب سے زیادہ جوش و خروش اسے بازار کے نام پر ہی محسوس ہوتا تھا۔ نت نئے سامان سے بچی دکانیں، آرٹیفیشل جیولری کے اسٹال، چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے بھاؤ ناؤ کرنے میں اسے بڑا مزہ آتا اور اپنے لیے کی ہوئی شاپنگ، خواہ وہ کتنی ہی تھوڑی

کیوں نہ ہوا سے بہت ساری خوشی فراہم کرتی تھی۔ آج کارپوگرام بری طرح خراب ہوا تھا۔

”کھانے کے بعد چلے چلیں گے۔ پوری شام وی ہے ابھی تو!“ چکن بریانی پکاتے ہوئے، بجیلہ سے دلا سا دینے لگی۔ مگر اس کا موڈ ٹھیک ہونا تھا نہ ہوا۔

”ابھی کھانا کھاتے کھاتے تین بج جائیں گے اور پھر احمر بھائی کا چائے کو دل چاہ جائے گا۔ دو تین بار بڑا کر بیٹیں گے۔ پھر کہیں عصر کے بعد وہ یہاں سے اٹھیں گے، دیکھ لیتا۔“ سابقہ تجربات کی روشنی میں اس نے پوری قطعیت کے ساتھ پیش گوئی کی۔ اس بار بجیلہ جابا خاموش ہی رہی۔

ابا کو کوئی بلانے آ گیا تھا۔ اب ان کی واپسی ظہر کی نماز پڑھ کر ہی ہوتی تھی۔ کھانا اس کے بعد ہی کھایا جاتا تھا۔ ابھی تھوڑا سا وقت باقی تھا۔ بجیلہ کام سے فارغ ہو کر خود بھی برآمدے میں آ بیٹھی سردیوں کی نرم دھوپ برآمدے کو گھیرے ہوئے تھی اور اندر کمرے میں مہدف بڑے انہماک سے ٹی وی کے آگے بیٹھی کوئی کھانا پکانے کی ترکیب نوٹ کر رہی تھی۔ بجیلہ تخت کے ایک کونے پر ٹپک گئی۔

”تمہارے انٹرویو کا کیا بنا احمر؟“ امی وضو کے لیے اٹھیں تو اس نے بڑی نرمی سے ہی پوچھا تھا۔ مگر وہ پھر بھی جھنجھلا گیا۔

”کیا بننا تھا۔ سارے فیصلے پہلے ہی کر لیے جاتے ہیں۔ بے کار کی فارمیٹی ہوتی ہے۔ یہ اشتہار اور انٹرویو میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ اس طرح کے اشتہارات دیکھ کر درخواست ہی نہیں دوں گا!“ بہت نرمے سے یہ موضوع اس کی دکھتی رگ بن چکا تھا۔

”اس طرح مسئلہ تو حل نہیں ہوگا، تم اتنا منشی کیوں بچنے لگے ہو آخر؟“ بجیلہ نے سمجھانا چاہا۔

”جب میں پیسے ہوں تو سب مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔“ وہ بڑی بے نیازی سے سر جھٹک کر بولا۔

”اور یہ پیسے کہاں سے آئیں گے، جب تک کوئی کام نہیں کر دے؟“ بجیلہ نے بمشکل ہی خود کو یہ کہنے سے روکا۔ ورنہ وہ تاؤ میں آ کر ابھی فوراً ہی اٹھ کر چلا جاتا

اور اتنے جتن کر کے پکائی گئی بریانی یوں ہی جاتی۔

”تمہارا کام کیسا چل رہا ہے۔ ماحول تو ٹھیک ہے نا وہاں کا؟“ بجیلہ کی خاموشی موضوع بدلنے کا سبب بن گئی۔

”ہاں، ٹھیک ہی ہے۔ وہاں تو ساری عورتیں ہی ہوتی ہیں اور پھر کام بھی اتنا ہوتا ہے کہ سر اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔“

یوں ہی موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ ہمدردی میں اتنا ہی کہہ دے کہ اتنا کام کرنے کی ضرورت نہیں، خود کو مت تھکایا کرو مگر اس نے ایک اور ہی نکتہ اعتراض ڈھونڈا۔

”عورتیں بھی ساری ٹھیک نہیں ہوتیں، زیادہ مراسم بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے کسی سے بس اپنے کام سے کام رکھا کرو۔“ بجیلہ نے نابعداری سے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”احمر، اب سنجیدگی سے کسی بھی کام کو سیٹ کرو۔ پلیز بے شک تھوڑی تنخواہ ہو شروع میں، آہستہ آہستہ بڑھ ہی جاتی ہے!“ وہ پھر سے اصل بات پر آئی۔

”تم کیا سمجھتی ہو، میں جان بوجھ کر نوکری نہیں کرتا۔ ملے تو سہی، جتنی ٹینشن خود مجھے ہے، اس کا تو کسی کو بھی اندازہ نہیں ہے۔“ تمام تر کوشش کے باوجود بھی، آخر کار اس کا موڈ خراب ہو ہی گیا۔

”ساری کوشش اکیلا خود ہی کر رہا ہوں ساتھ دینے والا کون ہے میرا، ہر ایک کو بس یہی لگ رہا ہے کہ کسی کسی طرح کمائی کر کے پیسے سب کے ہاتھ پر رکھے لگوں۔“ بجیلہ کے دل پر ٹھک سے کوئی چیز لگی۔ اتنے عرصے سے جو کچھ بھی وہ اس کے لیے کر رہی تھی خواہ وہ کتنا ہی کم تھا مگر اس کے دل میں ذرا بھی قدر نہیں تھی کسی بات کی بھی۔

”اور تمہیں جلدی کس بات کی ہے۔ آرام سے نوکری کر رہی ہو۔ تمہارے گھر میں تو کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے ہمارے گھر کی طرح، ماموں کی پنشن، گھر کا کرایہ تمہاری تنخواہ، گھر میں ہر طرح کی خوشحالی ہے۔“

ابا کی معمولی سی پنشن، اوپر کے حصے کا فقط پندرہ سو

کراہیہ اور اس کی یہ گارمنٹ فیکٹری کی نوکری..... اگر احمر کو خوشحالی کی نوید سنار ہے تھے تو تردید کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک ٹھنڈی سانس، اس نے اپنے اندر ہی اتار لی۔

”اصل میں خالہ، اب جلدی کر رہی ہیں صدف کی شادی کے لیے اگلے سال وہ اور خالو جج پر جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ ابا کی مرضی ہے کہ دونوں.....!“ وہ کچھ جھجک کر خاموش ہو گئی۔

صدف کی چھوٹی خالہ کے ہاں بات طے تھی۔ اسی ابا یہاں اپنے طور پر یہی فرض کیے بیٹھے تھے کہ دونوں کی شادیوں سے بیک وقت ہی نمٹ لیا جائے گا۔

”تو کیا پر اہلم ہے، صدف کی شادی اگر پہلے ہو جائے اور اماں تو ویسے بھی دو شادیوں کے بیک وقت ہونے کی مخالف ہیں۔ کہتی ہیں کہ ضرور ہی کوئی نہ کوئی گڑ بڑ ہو جاتی ہے۔“

بڑی بے پروائی سے کہتے ہوئے اس نے اعتراض کی وجہ تسمیہ بھی بتا دی۔ اماں نماز ختم کر کے آچکی تھیں سو بات خود بخود ہی ختم ہو گئی۔ صدف اندر کمرے میں دسترخوان بچھا رہی تھی۔ ابا عمو نا تھوڑی دیر کر کے ہی گھر آتے تھے۔ محلہ کمیٹی کے رکن تھے۔ اسی حساب سے ان کی اپنی مصروفیت رہتی تھی پر اس وقت وہ فارغ ہوتے ہی فوراً گھر آ گئے۔

”میں نے سوچا احمر میاں کو گھر جانا ہوگا۔ جلدی سے کھانے سے فارغ ہو جائیں پہلے!“ وہ برآمدے میں کھڑے کہہ رہے تھے۔ گھر میں سب ہی کو اندازہ تھا کہ ابا کو احمر کا یہاں زیادہ آنا جانا پسند نہیں ہے۔ اور شاید احمر کو بھی ان کے لہجے کی رکھائی کو محسوس کر کے بھیلہ کو ایسے ہی وہم ستاتے تھے۔

کھانا مزیدار تھا۔ خود احمر نے بھی بہت تعریف کی۔ امی اسے متوقع داماد کا پورا پروٹوکول دیا کرتی تھیں کتنی ہی بار انہوں نے اس کی پلیٹ میں چن چن کرا چھی بوٹیاں ڈالیں۔

”جتنی ضرورت ہوئی خود لے، لے گا۔ تم کیوں زبردستی کر رہی ہو۔ بیمار ڈالنے کا ارادہ ہے کیا اس کو!“

ابا کو ان کا التفات، جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا سو ایک دو بار انہوں نے ٹوک بھی دیا۔

بھیلہ خاموشی سے پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکالنے بیٹھی رہی۔ سچی بات تو یہ کہ اتنا کچھ کر کے بھی اس کا دل بری طرح دکھاتا تھا۔ احمر کی حد سے بوجھ ہوئی بے حسی، ابا کی بے اعتنائی.....! معلوم نہیں آگے قسمت کیا رنگ دکھانے والی ہے.....!

”ساڑھے تین بج رہے ہیں، دو بیس بدل کر تم گھر پہنچو گے۔ اچھا خاصا وقت درکار ہے۔ اب نکلو“ تو پینچتے پینچتے مغرب ہو جائے گی۔“ جب وہ اور صدف برتن اٹھا رہی تھیں تو ابا کو اس نے کہتے ہوئے سنا۔

”ابا اپنے بھانجے کی عزت افزائی خوب بنی فرماتے ہیں۔“ صدف کچن میں آ کر خوب ہی ہنسی۔

بھیلہ خاموشی سے چائے کا پانی رکھنے لگی اسے ابا کا اس طرح سے کہنا بھی اچھا نہیں لگا تھا کون سا وہ روز روز آیا کرتا تھا۔ پھر بھی وہ ایسا برتاؤ کرتے تھے مگر امی۔۔۔ بہر حال تلانی کرتی تھیں۔ چائے کے بہانے بھی انہوں نے بڑے اصرار کے ساتھ احمر کو گھنٹا بھر اور بٹھائے رکھا ابا مایوس ہو کر عصر کی نماز کو مسجد روانہ ہوئے، تب وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

”دو منٹ رک جاؤ، امی نماز پڑھ لیں!“ بھیلہ نے کہا، تو وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا تھوڑا سا قریب آ گیا۔

”تھوڑے پیسے ہوں گے تمہارے پاس، بہت سخت ضرورت ہے۔ اسی لیے آیا بھی تھا۔ تمہارے علاوہ اور ہے بھی کون۔ جس سے میں مدد کے لیے کہوں!“ وہ اتنی بے چارگی سے کہہ رہا تھا کہ بھیلہ کو اپنا دل چٹھکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

”ٹھہرو، میں ابھی لاتی ہوں!“ وہ کہتی ہوئی تیزی سے کمرے میں چلی گئی۔ پرس میں چند دن پہلے ملی تنخواہ ابھی باقی تھی۔

”مہینے بھر آنے جانے کا کراہیہ، ابا کے لیے خریدنے جانے والے سوٹ اور ضرورت کی چند چھوٹی موٹی چیزیں!“ اپنی ساری ہی ترجیحات، اس کا ہاتھ روکنے کے لیے تیار تھیں۔ چند لمحوں کے لیے تو وہ مجھے

میں ہی رہی۔

”احمر پریشان تھا کچھ دنوں میں واپس کر دے گا۔“ وہ بڑی نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شکر تھا کہ صدف کو پچھلے ماہ کے پانچ سو کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

”کبھی بھی نہیں دیں گے وہ، پہلے بھی جب نہ ٹیوشن پڑھایا کرتی تھیں جب بھی وہ سوچا اس لیے ہی بنایا کرتے تھے۔ کبھی واپس کے ’’وہ بدستور تھا تھی اور پورے یقین کے ساتھ جو پیش گوئی وہ کر رہی تھی وہ بھی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

احمر نے باقی پورے ماہ شکل تک نہیں دکھائی۔ اوپر سے ستم یہ ہوا کہ اوپر کے کمرے والے کرائے دار جب پچھلے مہینے کے آخری ہفتے میں محض دس دن کے لیے پنجاب گئے تھے انہوں نے اپنے قیام کی مدت بڑھا دی تھی۔ سو اس ماہ اوپر کا کرایہ بھی وصول نہ ہوا۔ ہاتھ ایک دم ہی تنگ ہو گیا۔ بہت سے ضروری اخراجات میاں کوٹنی کرنی پڑی۔ ناشتے میں سے انڈا یکسر ہی ختم کر دیا گیا اور گوشت جو ہفتے میں ایک بار پاؤ، ڈیڑھ پاؤ لاکر پکالیا جاتا تھا۔ اس ماہ وہ سلسلہ بھی موقوف رہا۔ کوئی بل بھرا نہیں جاسکا اور کچھ نہیں مگر جس دن ابا اپنے ان ہی دھلے دھلائے اڑی ہوئی رنگت والے سوٹ میں اپنے دوست کی بیٹی کی تقریب نکاح میں شریک ہونے کے لیے گئے اس دن جیلہ گئے دل میں احمر کی طرف سے مگر جڑ پکڑنے لگا۔

”کیا تھا اگر وہ سارے نہیں تو آدھے ہی پے
واپس کر جاتا۔ کسی سے لے کر ہی سہی۔ آخر ان کے
گھرانے کے باقی سارے خرچ بھی تو چل ہی رہے
ہوں گے!“ وہ سوچ سوچ کر رنجیدہ ہوتی رہی۔

فیکٹری میں شمالی اور مغربی بھی اس کے چپ چپ
رہنے کو نوٹ کر رہی تھیں۔ کئی بار اسے راکر کے پوچھا
مگر اصل بات بتانے میں اسے خود اپنی توہین محسوس
ہو رہی تھی۔

مہینہ ختم ہونے میں ابھی چھ دن باقی تھے اس دن وہ اور دنوں سے زیادہ خاموش تھی۔ ذہن بار بار پرل

”معلوم نہیں اے کتنے پیسوں کی ضرورت ہے، اگر سو دو سو میں ہی کام چلا لے تو کتنا اچھا ہو پوچھ لیتا چاہیے تھا کہ کتنے پیسے اے چاہئیں!“ ہجیلہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مگر اب کیا، کیا جاسکتا تھا۔

”کیا خبر سود و سود یکجہ کر وہ ناراض ہی ہو جاتا اگر
 ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ اسے پیسوں کی ضرورت ہے تو
 کھانے پر پیسے خرچ کرنے کے بجائے، یہی اسے دے
 دیتی!“ بے حد لگن کے ساتھ لکائی ہوئی بریانی اسے
 دوسری غلطی محسوس ہو رہی تھی۔ اچھے اچھے سے انداز میں
 پانچ سو کا ایک نوٹ لے کر وہ واپس برآمدے میں آگئی
 تو وہ وہیں کھڑا تھا۔

”بس اتنے ہی، میں تو سمجھا تھا کہ ابھی تمہیں تنخواہ ملی ہے تو شاید.....!“ احمر کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

”اصل میں ابھی سارے خرچے بھی باقی ہیں احمر!“ وہ شرمندہ سی ہو کر صفائی پیش کرنے لگی۔

”کچھ دن میں کسی دوست سے لے کر تمہیں
واپس کر دوں گا!“ احمر کا اصرار بڑھنے لگا تو وہ انکار بھی
نہ کر سکی۔

”بہت شکریہ جلیلہ، تم نے اس وقت میری بڑی پریشانی دور کی، خدا نہ کرے اگر میری زندگی میں تم نہ ہوتیں تو شاید میں بالکل ہی حوصلہ کھو بیٹھتا۔“ مزید پانچ سو لے کر اسے بڑی تسلی ہوئی، وہ محبت سے جلیلہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہی ایک نظر تھی جو ساری کوفت، ساری ٹینشن بھلا دیتی تھی۔ آج کی پریشانی کل کی خوشیوں کی نوید سناتی محسوس ہوتی تھی۔

ای نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو احرار خدا حافظ کہہ کر چلا گیا صدف البتہ اتنی ناراض تھی کہ ٹی وی کے سامنے سے اٹھ کر اسے رخصت کرنے تک کے لیے نہیں آئی۔

”تم نے پرس سے نکال کر اتنے سارے پیسے احمر بھائی کو پکڑا دیے۔ آخر کس خوشی میں!“ وہ جیلہ کو پرس میں سے پیسے نکالتے ہوئے دیکھ چکی تھی اور اب بذاتِ خود اس کے پرس کو چیک کر کے جواب طلبی پر اتری ہوئی تھی۔

میں پرے فقط چوبیس روپے کی طرف جارہا تھا اللہ ہی جانے اب باقی دن کس طرح کٹتے تھے۔

چائے کے وقفے میں وہ شالی کی باتوں کے جواب میں یوں ہی ہوں ہاں کیے جارہی تھی۔ مگنہ حسب بات ”ابھی آئی“ کہہ کر جو غائب ہوئی تو آدھا گھنٹا گزرنے کو تھا اب تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس کی پرہیزگسندی اب ”پراسرار“ نہیں رہی تھی۔ کھیریل اپنے بڑے بڑے کے آخری سرے پر بنے چھوٹے سے آنس میں کام کرنے والے فخر سے اس کی بڑے غضب کی ”انڈر اسٹینڈنگ“ ہو چکی تھی۔

”سچ کہتی ہوں، فخر ہی وہ انسان ہے جس کے بیٹے ساتھ کی میرے دل نے خواہش کی ہے۔“ مگنہ جیسی پیٹ کی ہلکی لڑکی، زیادہ دن یہ راز چھپا ہی نہیں سکی تھی۔ مگر اب جس تیزی سے وہ اس معاملے میں سنجیدہ ہوتی جا رہی تھی وہ شالی اور مگنہ دونوں کو حیران بھی کر رہا تھا اور پریشان بھی۔ سو اس وقت بھی یہ طے شدہ بات تھی کہ وہ آیا سیکینہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہیں آنس میں کرسی پر بیٹھی، فخر کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہوگی۔

”کم از کم مجھے تو بتاؤ کیا پریشانی ہے۔ میں تو اپنا مارا دکھ دو تو تمہیں سناتی ہوں مگر تم شاید مجھے غیر ہی سمجھتی ہو“ شالی کے لہجے میں خلوص بھی تھا اور درد مندی بھی۔ بیلہ سائنس کی ٹکا ہوں سے اس کے چہرے کو تنگ لگتی۔ شالی کی گہری سانولی رنگت اور معمولی نقوش کے پیچھے ایک بڑا ہی خوبصورت دل تھا۔ بھیلہ کو اسے بتانا ہی پڑا۔ ”بس اتنی سی بات.....!“ اس نے مڑ کر اپنی بازو کے ساتھ رکھے پرس کو اٹھایا۔

”یہ لو!“ اس نے سو پچاس کے ملے جلے سے چند نوٹ کے ہاتھ میں تھمائے ”تھوڑے اور بھی ہیں مگر تمہیں ہونے، کل میں اور بھی لے آؤں گی!“ بھیلہ سناٹے دو سائز سے چار سو روپے تھے۔

”میں بس بہت ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تمہارا یہ شمر یہ ادا کروں شالی، انشا اللہ تنخواہ ملتے ہی میں ان سے یہ پیسے لوٹا دوں گی۔“ بھیلہ ممنونیت سے کہنے

لگی تو وہ الٹا کھٹا ہو گئی۔

”پھر وہی غیریت والی باتیں، میں تو تمہیں اپنی بہنوں سے بھی بڑھ کر سمجھتی ہوں بھیلہ، تمہاری دوستی میں اپنا دکھ بھولے رہتی ہوں اور تم ہو کہ.....!“ بھیلہ کو باقاعدہ معافی مانگنی پڑ گئی۔

”یہ مگنہ کچھ زیادہ ہی دیر کے لیے غائب نہیں ہو جاتی ہے۔ کل سیکینہ آیا، اسے سیٹ پر نہ دیکھ کر ناراض ہونے لگیں تو مجھے بہانہ کرنا پڑا کہ واش روم گئی ہے!“ شالی کو مگنہ کی فکر ہو رہی تھی ”اتنا سمجھاتی ہوں مگر کان ہی نہیں دھر رہی۔ اسے فخر کی محبت میں اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا ہے!“ بھیلہ جواباً خاموش ہی رہی۔ محبت میں انسان یوں ہی، اندھا، بہرا اور گونگا ہو جاتا ہے۔ یہ بات وہ بھی جانتی تھی۔

”تمہیں پتا ہے!“ شالی اس کی طرف رازدارانہ انداز سے جھکی۔ ”اب تو یہ دونوں باہر بھی ملنے لگے ہیں۔ کبھی کسی پارک، کبھی ریسٹورنٹ، مگنہ کہہ رہی تھی کہ اب کسی دن فلم دیکھنے جائیں گے۔“

”یہ تو بہت ہی غلط بات ہے۔“ بھیلہ کو گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ ”تمہیں اسے سختی سے منع کرنا چاہیے تھا۔ ابھی کتنا جانتی ہے وہ اس لڑکے کو اگر وہ اتنا ہی مخلص ہے تو اپنے گھر والوں کو بھیج کر رشتہ مانگ لے باقاعدہ!“

”لو وہ آ رہی ہے سامنے!“ شالی نے سامنے سے آتی مگنہ کو دیکھ کر کہا۔ چند لمحوں میں ہی وہ ان کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

”پتا ہے آج مجھے فخر نے کیا دیا.....؟“ اس کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا اور چہرہ کسی اندرونی خوشی سے چمک رہا تھا۔ بھیلہ کو فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ مگنہ کو نصیحت کرنے کے لیے یہ بالکل بھی موزوں وقت نہیں ہے۔ آس پاس لڑکیاں اپنا کام دوبارہ شروع کر چکی تھیں سو وہ بھی اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ یہاں سیکینہ آ پانے کئی جاسوس چھوڑ رکھی تھیں جو انہیں ساری خبریں دیتی تھیں مگنہ اگر ابھی تک بچی ہوئی تھی تو محض اپنی ہوشیاری اور چرب زبانی کی وجہ سے۔

”بجیلہ یہ دیکھو۔“ تھوڑا سا جھک کر اس نے چھوٹے سے شاپر سے کچھ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ ایک بریلیٹ تھا اور اس کے ساتھ ایئر زنگز، ویسے ہی جیسے عام طور پر مصنوعی زیورات کے جگہ جگہ لگے اسٹالز پر ملتے ہیں۔“

”اچھا ہے نا، فخر نے دیا ہے۔ بالکل نیا ڈیزائن ہے!“ گگینہ نے ذرا سی دیر میں ہی بہت ساری خوبیاں ڈھونڈ نکالی تھیں۔ بجیلہ نے یوں ہی مردانہ اثبات میں ہلادیا۔ اسے جیولری سے کوئی ایسی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ صدف کا ڈیپارٹمنٹ تھا۔ شالی نے بھی نگاہوں ہی نگاہوں میں سر ہلایا مگر گگینہ کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

”ابھی دو ہفتے پہلے فخر نے مجھے ایک پرفیوم بھی دیا تھا۔ جب میں اس سے ملنے، اتوار کے دن گئی تھی!“

”تمہیں ڈر نہیں لگتا گگینہ اگر کوئی دیکھ لے، ویسے بھی تمہارے بھائی بہت سخت مزاج ہیں۔ اگر کوئی بات ان تک پہنچ گئی تو وہ؟“ بجیلہ نے اس کے دل میں تھوڑا سا ڈر بٹھانا چاہا۔

”اب مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے، بھائیوں کو کون سی میری پروا ہے۔ اپنے بیوی بچوں میں کم ہیں، اماں بھی ان ہی کی خوشنودی میں لگی رہتی ہیں۔ میری کس کو فکر ہے وہاں، اب جو میرا دل چاہے گا، میں بھی وہی کروں گی۔“ گگینہ کے لہجے میں بڑی بے خوفی تھی اور چہرے پر کچھ کرگزر جانے کی سی کیفیت۔ بجیلہ کو بڑا ڈر سا لگنے لگا۔ سامنے سے سکیٹ آ پاوراؤنڈ پر آ رہی تھیں۔ انہیں باتیں کرنا دیکھ کر یقیناً برا مناتیں سوچنے کا شاپرا سے پکڑا کر وہ خود سامنے رکھی مشین پر جھک گئیں مگر کسی وقت فرصت سے گگینہ کو سمجھانے کا ارادہ ضرور دل میں پکا کر لیا تھا۔

مہینہ ختم ہونے پر تنخواہ ملتے ہی سب سے پہلے شالی کے پیسے واپس کیے، حالانکہ وہ منع بھی کرتی رہی، پھر بھی کسی نہ کسی طرح بجیلہ نے اسے وہ رقم واپس لینے پر مجبور کر ہی دیا۔

”مجھے کرنا کیا ہے پیسوں کا، نہ بچے نہ گھر بار،

پیٹ تو بھر ہی جاتا ہے ماں باپ کے در پر، میں نے تو نوکری صرف اپنی تنہائی بانٹنے کے لیے کی ہے۔ اگر تم پیسے اپنے پاس رکھ لیتیں تو مجھے بہت خوشی حاصل ہوتی۔“ شالی پیسے ہاتھ میں لے کر آ زردہ سے لہجے میں کہنے لگی۔ اس کا ڈپریشن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ زور زور سے آپ سے بے پروا ہو رہی تھی۔ کئی کئی دن ایک ہی سوٹ پہن کر فیکٹری آتی رہتی، بے تو جہی اور مستقل مایوسی میں گھرے رہنے کی وجہ سے اس کی رنگت اور بھی زیادہ سیاہی پائل ہو رہی تھی اور چہرے کی رونق بھی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ بجیلہ اور گگینہ دونوں ہی اسے جب موقع ملتا سمجھاتیں مگر وہ کچھ اثر نہ لیتی۔

”مجھے پتا ہے کہ اب کچھ اچھا نہیں ہونا، اگر میری قسمت میں خوشی ہوتی تو اشرف سے ہی مل جاتی۔“ امید کی آخری کرن بھی وہ گنوا چکی تھی اور اب کسی خوش فہمی کے قریب پھٹکنے پر تیار نہیں تھی۔

”اس طرح خود کو مستقل اذیت میں رکھنے سے کیا حاصل ہے بھلا۔ اشرف نے جو کچھ کرنا تھا کر لیا۔ اب ساری عمر لکیر سیٹے ہوئے تو نہیں گزاری جاسکتی!“ بجیلہ غصے میں آنے لگی۔

شالی آج پورے تین دن کی چھٹی کے بعد آئی تھی۔ اس کی بیماری کی اطلاع تو فیکٹری تک آ گئی تھی مگر اس بیماری کی اصل وجہ اس نے بذاتِ خود صبح سویرے جب وہ تینوں بس میں اکٹھی ہوئیں تب سنائی۔ اشرف کی دوسری شادی ”کنفرم“ ہو چکی تھی اور اب وہ باقاعدہ اتنی عورت کے ساتھ اس کے گھر میں رہنے لگا تھا۔

شالی آس پاس مسافروں کی پروا کیے بغیر، یہ خبر سناتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی گگینہ اور بجیلہ کو اسے چپ کرانا مشکل ہو گیا تھا۔ فیکٹری میں ساتھ کام کرنے والی تقریباً سب ہی لڑکیوں کو شالی کا سارا قصہ معلوم تھا باری باری سب ہی نے آ کر اظہارِ افسوس کیا شالی سر جھکائے بیٹھی رہی۔ بجیلہ کو اس کی حالت دیکھ دیکھ کر اب غصہ آ رہا تھا۔

”اور اگر اب یہی رونا ساری زندگی جاری رکھتا ہے تو گزر گئی شالی بی بی۔ ارے، سیدھے طلاق لو اس

کرو شروع اپنی نئی زندگی، دوسروں کو تو تم بہت شور مچاتی ہو۔“ دوپہر کے کھانے کے وقفے میں نوہری فرصت ملی تو اس نے ٹھیک ٹھاک خبر لے ڈالی۔
 ”تو اور کیا۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں، اس بار بہت دیکھ بھال کر اپنی پسند سے شادی کرنا، دیکھنا بہت خوش رہو گی!“ آج ٹھیکہ نے بھی بڑی قریانی دی تھی جو شالی نوجوانوں سے فخر سے ملاقات کے لیے آفس کا چکر نہیں لگایا تھا۔

”کون کرے گا مجھ سے شادی!“ شالی آنسو مانگ کرتے ہوئے ہلکے سے بولی ”نہ رنگ روپ اور نہ فی تعلیم، مفت کا بوجھ کون لادتا ہے۔ شکل اچھی ہوتی تو ہرف کا دل کسی اور پر آتا ہی کیوں.....؟“ اس کی سوئی ہیں انکی ہوئی تھی۔ بھیلہ نے بے اختیار ہی انگلیوں سے اپنے کو چھوا تو وہ کچھ جھینپ سی گئی۔

”اصل میں تم اور ٹھیکہ ماشاء اللہ اچھی صورت شکل کی بوا میں لیے تم نہیں سمجھ سکو گی۔ تمہیں ایسا کوئی احساس کبھی نہیں ہے بھیلہ!“ وہ اپنی بات کو واضح کرنا چاہ رہی تھی مگر بھیلہ اور ٹھیکہ کے نزدیک اس کی بات میں ذرا نمی دم نہیں تھا۔

”انسان خوش رہے، اپنا خیال رکھے، مرد ہو یا بورت ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔“ طبیعتوں میں ہزار اختلاف کے باوجود، دونوں میں کم از کم اس بات پر ضرور اتفاق رہا تھا۔ شالی پتا نہیں قائل ہوئی یا نہیں مگر ان دونوں کی محبت کے آگے خاموش ضرور ہو گئی۔



انگلے ہفتے سے فیکٹری میں کام ایک دم ہی بڑھ گیا جو بڑے آرڈرز مالکان کو مل گئے تھے۔ اوور ٹائم بھی پائی ہل رہا تھا اور نئی ورکرز بھی رکھی جا رہی تھیں جو ایسی بہت طویل عرصے سے یہاں کام کر رہی تھیں، ان کے تعینات میں نئے کام والوں کی آمد یہاں پر کھل گئی۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ نئے آنے والوں کی جگہ سے اوور ٹائم پانے میں پرانوں کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ آئے دن کسی نہ کسی کی تکرار سنائی دے جاتی تھی۔
 ٹھیکہ آپا معاملات کو سلجھانے کی کوشش میں ہلکان

ہوئی جا رہی تھیں۔ ایک دن ستار بھائی کا بڑا بیٹا بھی بطور خاص وزٹ پر آیا اور بڑی حد تک سب کو مطمئن کرنے کی کوشش کر کے گیا۔

شالی اور ٹھیکہ دونوں ہی اوور ٹائم لگا رہی تھیں۔ شالی کو تنہائی سے فرار کے لیے بہانہ درکار رہتا تھا۔ پھر یہ بھی تھا کہ بھائیوں کا موڈ بھی اچھا رہتا تھا کہ وہ سارا دن باہر رہے اور ان پر بوجھ بھی نہ بنے۔ ٹھیکہ پر آج کل اپنا جہیز جوڑنے کی دُور سوار تھی۔ اپنے مستقبل کے گھر کے لیے وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بڑے ارمان کے ساتھ اکٹھی کیے جا رہی تھی۔ فخر سے اب اس نے بھیلہ کے اصرار پر بہت زور دے کر کہا تھا کہ اس بار جب وہ حیدر آباد اپنے گھر جائے تو اپنی اماں کو ساتھ لے کر آئے تاکہ وہ ان دونوں کے رشتے کی بات چلا سکیں۔ آج کل ملنے والے ان اضافی پیسوں سے وہ بڑی لگن کے ساتھ اپنے مستقبل کے خاکے میں خوبصورت رنگ بھرنے میں مصروف تھی۔

آج کل بھیلہ واپسی میں اکیلی ہی ہوتی تھی۔ اس کے ابا اور امی کی طرف سے اتنی دیر رکنے کے لیے اجازت نہیں مل سکی تھی حالانکہ اس نے بہت خوشامد کی تھی کہ زیادہ نہیں تو ہفتے میں تین دن ہی وہ بھی وہاں رک جایا کرے۔

”پیسوں کی ضرورت کسے نہیں ہوتی، یہ تو جتنے بھی ہوں کم ہی دکھائی دیتے ہیں اور اب تو تمہاری شادی بھی قریب ہے!“ رات کے کھانے کے بعد جب وہ دونوں بہنیں ذرا فرصت میں تھیں بھیلہ، صدف کو ہموار کرنے کی کوشش کیے گئی وہ پہلے تو حیب چاپ سنتی رہی پھر جب بھیلہ خاموش ہوئی تو بڑی سنجیدگی سے بولی۔

”ضرورتیں کم بھی تو کی جاسکتی ہیں آپ، ضروری ہے کہ پیسہ کمانے کے لیے انسان اتنا ہلکان کرے خود کو کہ پھر زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو انجوائے کرنے سے بھی محروم رہ جائے، پیسے سے آسانیاں میسر آ جاتی ہیں آپ لیکن خوشی کا سلسلہ کہیں اور سے ہی جا کر جڑتا ہے اور میری شادی میں تو ویسے ہی ٹینشن لینے والی کوئی بات نہیں ہے۔ امی نے جو تیاری کر کے رکھی ہے وہی

وہ سراسر ایک بہن کی محبت تھی مگر بھیلہ کے دل و دماغ پر چھائے غبار کو جیسے نکاسی کا موقع ملا۔

”تم سب لوگ آج احمر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو مانا فہد اس کے مقابلے میں ہر طرح سے بہتر ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہر وقت اس کو ذلیل کیا جائے!“ اپنی بات کہتے کہتے اس کی آواز رندھنے لگی۔ صدف جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر بھیلہ کے پاس آ بیٹھی۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا آئی، اچھا پلیز معاف کر دو، میں تو صرف تمہارے خیال سے.....!“ بات ادھوری چھوڑ کر، وہ خود رونے لگی تو بھیلہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ صدف بے چاری اب یہاں چند دن کی ہی مہمان بھی اور آج کل وہ خود جدائی کے جس احساس کے ساتھ گزر رہی ہوگی اس کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ بھیلہ نے فوراً ہی آنسو صاف کر کے اسے گلے سے لگا لیا۔

مگر یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہوا تھا۔ احمر کی بے پروائی اور بے حسی کو اب باقاعدہ نوٹس کیا جانے لگا تھا۔ ابا کو تو اس سے خاص طور پر چڑ ہو چکی تھی، کسی کسی وقت تو بھیلہ کو لگتا کہ بس یہ رشتہ ٹوٹا ہی ٹوٹا مگر امی بات کو کسی نہ کسی طرح سنبھال لیتیں۔

بھیلہ منتظر ہی رہی کہ وہ کب اس سے لیے گئے پیسے واپس کرے گا مگر احمر کا کھانا یکطرفہ ہی رہا۔ وقتاً فوقتاً اس سے پیسے لے لینا اب اس کی عادت بن چکی تھی۔ پھپھو آتیں تو ان کا بھی یہی رونا ہوتا کہ حالات کی نہیں ہیں۔ بھیلہ کی مایوسی بڑھنے لگتی مگر وہ خود کو پھر کسی نہ کسی طرح بہلا لیتی۔



گھر میں صدف کی شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا تو بہت سارے دن اس کی نذر ہو گئے۔ گارمنٹ فیکٹری سے بھی اس نے پورے دس دن کی چھٹی لی تھی۔ صدف کی بارات بھی مختصر ہی آئی تھی اور کھانے پر محض دو ڈشز رکھی گئی تھیں۔ بے جا اسراف سے بچتے ہوئے یہ شادی بڑے ہی ہلکے پھلکے انداز میں انجام پائی۔ ویسے کاہنہ بھی ہوا، سب نے انجوائے بھی کیا مگر نوٹیشن! بھیلہ کی فیکٹری سے ٹکینہ اور شالی کے علاوہ بھی

بہت ہے!“ بھیلہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ صدف ہمیشہ ہی بالکل بے وقوف اور نا سمجھ سی محسوس ہوتی تھی آج پہلی بار اسے لگا کہ وہ زندگی کے بارے میں نہ صرف بڑی واضح سوچ رکھتی ہے بلکہ یہ سوچ اس کے مقابلے میں بڑی سنجیدہ اور قابلِ تقلید ہے۔

”مجھے تو یہی سوچ کر افسوس ہو رہا ہے کہ اگر اس وقت احمر بھائی اور پھپھو بھی تعاون کر لیتے تو امی اور ابا بڑی آسانی سے، ہم دونوں ہی سے فارغ ہو جاتے!“ صدف کے لہجے میں بڑا رنج سا تھا۔ بھیلہ حالانکہ قصور وار بھی نہیں تھی پھر بھی اس کی نگاہ جھکنے لگی احمر اور اس کے گھر والوں کے رویے کو چاہے کوئی بھی خوبصورت نام دے لیا جاتا مگر اس سے پھٹکنے والی خود غرضی، صاف دکھائی دے رہی تھی۔ صدف کے لیے خالہ کے ہاں سے سختی سے جہیز کے لیے منع کروایا گیا تھا اور یہ فیصلہ خود فہد نے کیا تھا جو صدف کا منگیتر تھا۔

”کاش ایسی ہی کوئی بات احمر بھی کہہ دیتا!“ بھیلہ کے دل میں کتنی ہی بار، یہ بات پن کی طرح چبھی تھی۔ پھپھو نے ابا کے لاکھ زور دینے پر بھی ایک ساتھ دونوں شادیوں کے ہونے پر رضامندی ظاہر نہیں کی تھی۔ سارا الزام احمر پر رکھتی تھیں کہ وہ ابھی راضی نہیں ہے اور احمر سے جب ملاقات ہوتی تو وہ پھپھو بھی کی مجبوریاں گنوانے لگتا۔ کون سچا تھا؟ یا پھر وہ دونوں ہی سچ بولنے سے ڈرتے تھے۔ نیت کا کھوٹ، عمل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کھڑی کرتا ہے۔

”یہ تو ہم ہی بے وقوف ہیں جو ایک غیر ذمے دار اور جزوقتی کام کرنے والے لڑکے کو بیٹی سوچنے کے لیے بے قرار ہو رہے ہیں!“ ابھی چند دن پہلے، ابا نے بہت جھنجھلا کر امی سے کہا تھا۔ یہ بھی پروا نہیں کی تھی کہ بھیلہ بھی وہیں بیٹھی ہے۔ فہد کی اعلیٰ نظرئی کے بعد انہیں احمر اور بھی زیادہ کھلنے لگا تھا۔

”اور میری بات مانو تو اپنی شادی سے پہلے، یہ جاب چھوڑ دینا اور نہ احمر بھائی اور پھپھو ساری زندگی تمہیں پیسے ہی رہیں گے!“ صدف نرمی سے جو کچھ کہہ رہی تھی

بہت سی دوسری لڑکیاں شادی میں شریک ہوئیں، خاص طور پر سیکندرا پاپا، جن کی آمد قطعی غیر متوقع تھی۔ ان سب کا حلوں اور اپنائیت ہی قابل قدر تھی۔ شالی اور نگینہ نے احمر کو خاص طور پر دیکھا۔ صدف کی شادی والے دن، وہ نگینہ کی بہت اسرارٹ رہا تھا۔ صورت شکل اچھی تھی ہی، بانی کسرا جیسے کپڑوں نے پوری کر دی تھی۔ بجیلہ کو اسے ان لوگوں سے ملواتے ہوئے بڑے فخر کا احساس ہوا۔

شالی نے بہت کھل کر احمر کی تعریف کی تھی مگر نگینہ نے کسی خاص اشتیاق کا اظہار نہیں کیا۔ باوجود تمام تر سوچ و گمان کے بجیلہ کے دل میں یہی گھٹیا سا خیال آیا کہ وہ اس سے جل گئی ہے۔ فخر، احمر کے مقابلے میں بے چارہ بالکل ہی گھٹیا سا ہے اور اوپر سے چھپھورا گئی! بجیلہ کو نگینہ سے سنی اس کی باتیں یاد آئیں۔

صدف کی شادی کا ہنگامہ ٹھنڈا پڑا، تو زندگی پھر سے معمول پر آنے لگی۔ فیکٹری میں گزشتہ مہینوں والا کام لاہور، اب باقی نہیں رہا تھا۔ وہی روز کا کام چل رہا تھا۔ عارضی طور پر رکھے گئے ورکرز کی بھی بڑی تعداد کہیں اور جا چکی تھی اور اور ٹائم کا بھی اب وہ عالم نہیں رہا تھا۔ ہر وقت چلتی مشینوں کے بیچ بیٹھ کر بھی بجیلہ کو بڑے سکون کا احساس ہوتا تھا۔

نگینہ کی کام کے بیچ آنکھ پھولی والا سلسلہ ابھی بھی جاری تھا۔ اس کے اور فخر کے بیچ جو سلسلہ جاری تھا وہ اب راز نہیں رہا تھا۔ ساری لڑکیوں کو خبر ہو چکی تھی۔ شالی نے بتایا: ”ایک روز، نگینہ کی سب سے اہم اتحادی سیکندرا نے بھی بہت سختی سے خبر لی ہے اس کی۔“

”بہت اچھا کیا، یہاں سب کام کے لیے آتے ہیں۔ اس طرح کی باتوں سے ماحول خراب ہوتا ہے اور لڑکیوں پر بھی اثر پڑتا ہے۔“ بجیلہ نے کہا۔

”میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ ہم دونوں کو بھی نگینہ سے دوستی کم کر دینی چاہیے۔ یہاں پر ہمارا تاثر بھی اب ہو رہا ہو۔“ شالی کی بات اسے ٹھیک ہی لگی، چند دنوں کے بعد سوچ نکا ہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ نگینہ آگئی، آج اس نے بہت خوبصورت کاشن کا

سوٹ پہن رکھا تھا جو دیکھنے میں خاصا مہنگا لگ رہا تھا۔ نگینہ نے بھی شاید اس کی نگاہوں میں آئی پسندیدگی کو بھانپ لیا تھا۔ ایک فخریہ مسکراہٹ، اس کے چہرے پر چلی آئی۔

”پچھلے ماہ میری سالگرہ تھی۔ فخر نے گفٹ کیا تھا معلوم ہے کتنے کا ہے؟“ نگینہ نے رعب جمانا چاہا۔

”تم اتنے مہنگے تحفے کیوں لے رہی ہو فخر سے، آخر کیوں وہ تم پر اتنے پیسے خرچ کر رہا ہے۔ کل کو تمہارے لیے کوئی پریشانی نہ کھڑی ہو جائے، اتنا تو سوچو۔“ نگینہ نے تھوڑی سی ہنسی کے باوجود بھی، بجیلہ نے دوستی کا حق نبھانا چاہا مگر جواباً وہ بے پروائی سے ہنس پڑی۔

”وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ ایسی ویسی نہیں، سچی محبت اور اسی لیے میرے لیے کچھ بھی لیتے ہوئے اسے پیسوں کی پروا نہیں ہوتی۔“

”پھر بھی، ابھی تو تم دونوں کے درمیان کوئی باقاعدہ رشتہ بھی نہیں بنا ہے۔ پھر بھی تم.....!“ بجیلہ نے کہا تو نگینہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

”ظاہری رشتہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا بجیلہ، ہمیں ایک دوسرے پر پورا بھروسہ ہے اور ہر امت منانا، احمر تو تمہارا منگیترا ہے۔ قریبی رشتے دار بھی ہے مگر دل کا تنگ ہے ورنہ کبھی تو تم بھی اس کی لائی ہوئی کوئی چیز، ہمیں بہت شوق سے دکھاتیں، لڑکیوں کو تو بڑا ارمان ہوتا ہے کہ ان کے منگیترا.....!“

”ہمارے درمیان اس قسم کی باتوں کی اہمیت نہیں ہے۔ میں احمر کے لیے کتنی اہم ہوں اس بات کا اندازہ مجھے خود ہے۔“ بجیلہ کو اس کے سونے سے تیز تیز سے انکار کرتے ہوئے خود اپنی آواز کھوکھلی سی لگی۔

”خوش نہیں ہے تمہاری، ان مردوں کے نزدیک خود ان کے اپنے علاوہ کوئی بھی اہم نہیں ہوتا۔ اپنی اہمیت عورت کو ثابت کرنی پڑتی ہے۔ جیسے میں کر رہی ہوں۔ ابھی سے میری منگیترا میں ہے فخر، بعد میں تو.....!“ نگینہ کے چہرے پر بڑی پراسرار سی مسکراہٹ ابھرنے لگی۔

بجیلہ کو اس لمحے وہ کسی عام سی لڑکی کے بجائے،
 بڑی جہاندیدہ سی عورت محسوس ہوئی جس کا فلسفہ زندگی
 اس کے ذاتی تجربات کا مرہون منت تھا۔ خوبصورت
 لباس کے ساتھ، میک اپ سے رنگے خوبصورت چہرے
 سے، نہیں معلوم کیوں اسے گھن سی آنے لگی۔

”اپنا مقابلہ ہم لوگوں سے مت کرو مگینہ، یہ تو وقت
 بتائے گا کہ خوش نہیں میں، میں مبتلا ہوں یا تم اور احمر جیسا
 بھی ہے، کم از کم اس چھپھورے آوارہ لڑکے سے ہزار
 درجہ بہتر ہے۔ جس پر تم بھروسہ کیے بیٹھی ہو!“ اس کے
 لہجے میں اتنی تلخی اور حقارت تھی کہ بیچ میں بیٹھی ٹکر ٹکر دونوں
 کا منہ دیکھتی شالی کو مدخلت کرنی ہی پڑی۔

”پاگل ہو گئی ہو تم دونوں، بات کو کہاں سے کہاں
 لے جا رہی ہو۔ چلو کھانا کھاؤ دونوں!“ اس نے تینوں
 کے لہجے باکس آگے کو سرکائے۔

”رہنے دو شالی، جب دلوں میں اتنی تلخی بھری ہو تو
 یہ دکھاوے کی دوستی بالکل ہی بے معنی ہے۔“ مگینہ ایک
 جھٹکے سے اپنا لہجہ باکس اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ شالی نے
 اسے روکنا بھی چاہا مگر وہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی دوسری
 طرف چلی گئی۔ کچیریل والے برآمدے میں، اس دوستی
 کے تابوت میں آخری کیل ٹھک ہی گئی۔ ساتھ کام کرنے
 والی لڑکیوں نے شروع شروع میں تو ان کے مابین
 چھائی سرد مہری کا بہت زیادہ نوٹس لیا۔ کرید کرید کر اصل
 وجہ جاننے کی کوشش کرنی چاہی مگر اس سابقہ دوستی کا اتنا
 لحاظ انہوں نے ضرور رکھا کہ کسی دوسرے کے سامنے
 ایک دوسرے کی برائی سے اجتناب ہی کرتی رہیں۔

رفتہ رفتہ سب ہی اس نئے معمول کے عادی
 ہو گئے۔ کچیریل والے برآمدے میں اب بیچ بڑیک میں
 شالی اور بجیلہ ساتھ کھانا کھاتی دکھائی دیتی تھیں۔ گوشالی
 کی براہ راست مگینہ سے کوئی ناراضی نہیں ہوئی تھی مگر وہ
 خود بخود ہی بجیلہ کے ساتھ گروپ بنا چکی تھی۔ اس کی
 زودرنجی اور مایوسی، بجیلہ کی حساس طبیعت کے ساتھ ہی
 میل کھاتی تھی۔ دیے وہ رسماً مگینہ سے بھی دعا سلام
 کر لیتی اور آتے جاتے بس میں اگر جگہ کا مسئلہ ہوتا تو
 مگینہ کے ساتھ بیٹھ بھی جاتی۔

بجیلہ نے اس دن کے بعد بالکل ہی پروا کرنی
 چھوڑ دی تھی کہ وہ کیا پہن رہی ہے اور کتنی بار اپنی سیٹ
 سے غائب ہوتی ہے۔ اس کا دل، مگینہ کی طرف سے کمر
 اتنا خراب ہو گیا تھا کہ اگر شالی بھی مگینہ کے متعلق کوئی
 بات چھیڑتی تو وہ بات کا موضوع بدل دیتی چند دن بعد
 مگینہ نے جگہ بھی تبدیل کر لی تو یہ قصہ تقریباً ختم ہی
 ہو گیا۔



بجیلہ جتنی دیر فیکٹری میں رہتی۔ وقت گزرنے کا پتا
 بھی نہیں چلتا مگر گھر میں اب صدف کی غیر موجودگی میں
 وقت کا شادو بھر ہو رہا تھا۔ ابا حسب معمول زیادہ سے
 زیادہ وقت باہر امی اب اس کے خیال سے شام کو اس
 کے آجانے کے بعد کہیں نہیں جاتی تھیں مگر جو باتیں وہ
 صدف سے بے تکان کر لیا کرتی تھی امی سے کہاں
 کرتی۔

البتہ کبھی کبھی جب صدف رہنے کے لیے آتی تو
 بس عید کا سماں ہو جاتا۔ وہ اب بجیلہ کے لیے پریشان
 رہا کرتی تھی۔ اس کے سامنے تو نہیں مگر غیر موجودگی میں
 امی پر زور دیا کرتی کہ وہ جلد از جلد بجیلہ کی شادی کرنے
 کی کوشش کریں۔

اس بار وہ نسبتاً جلدی آگئی، نہ کوئی فون، نہ
 اطلاع اور ابھی وہ لوگ حیرت بھری خوشی سے نکلے بھی
 نہیں تھے کہ اس نے وہ خبر بھی سنا دی، جسے سنانے کے
 لیے وہ دوڑی چلی آئی تھی۔

”احمر بھائی کو تو بڑی اچھی جاب مل گئی ہے۔ ایک
 پرائیویٹ فرم میں، فہد کا اتفاقا جانا ہوا تو وہاں ان سے
 ملاقات ہوئی۔“ اتوار کا دن تھا، گھر پرانی کے ساتھ بجیلہ
 بھی تھا، وہ دونوں ہی اس کی شکل دیکھنے لگیں۔ ایسا کیسے
 ممکن تھا۔ بے شک احمر آج کل بہت کم آتا تھا مگر ایسی
 کوئی بات ہوتی تو وہ سب سے پہلے یہیں سنانے آتا۔

”ہو سکتا ہے، وہ وہاں کوئی انٹرویو دہرے دینے
 ہو، فہد کو غلط فہمی ہوئی ہو۔“ بجیلہ نے ایک بودا سا ہوا
 تلاشا۔

”کیسی باتیں کرتی ہو آبی!“ صدف تیزی سے

بولی، شادی کے بعد اس کی بات میں خود بخود وزن پیدا ہو گیا تھا۔

”احمر بھائی وہاں آفس میں بیٹھے باقاعدہ فائلیں دیکھ رہے تھے، فہد کو بتایا کہ ابھی انہیں وہاں جوائن کرنا ہے۔“

”وہ کھو تو بھلا، کسی نے تک فون کر کے نہیں بتایا، خوش خبری پر ہمارا حق نہیں تھا۔“ امی آزر وہ ہونے لگی۔ خود بھیلہ کے بھی دل کو دھکا سا لگا۔ کیسی خوش خبری تھی جو دل دکھانے کا سبب بنی تھی۔

”ابھی فون کریں پھو کے گھر، دیے تو آئے دن بیٹھے رہتے تھے احمر بھائی، اچھی جاب کیا ملی، دماغ پرانی ساتویں آسمان پر جا پہنچا، امی مجھے تو ان لوگوں کی بات ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔“ صدف شاید اور بھی کچھ کہتی مگر بھیلہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

”ابھی سے اندازے قائم مت کرو، میں خود بات کروں گی اور ابھی اپنے ابا سے کچھ ذکر مت کرنا۔“ امی نے کچھ سوچتے ہوئے صدف کو ہدایت کی۔ وہ صرف اپنا اطلاع دینے کے لیے آئی تھی۔ تھوڑی دیر ہی بیٹھ کر واپس پارکی تھی۔ تبھی احمر کی آمد ہوئی۔

”دیکھا، آج فوراً آئے، پتا تھا نا کہ اب یہاں ملازم بچے میں دیر نہیں لگے گی!“ صدف نے دروازے سے نکلتے ہوئے سرگوشی کی تو بھیلہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

صدف اور فہد چلے گئے تو احمر نے وہ خوش خبری سنا کر دیکھی، جواب تھوڑی سی پرانی ہو چکی تھی۔

”ہاں بتایا تھا صدف نے ابھی، مبارک ہوا۔“

امی کے انداز میں بڑی واضح رکھائی تھی۔ احمر نے اپنی طرف دیکھا تو وہ بھی بڑی سنجیدہ سی محسوس ہوئی۔

”اصل میں، ابھی تک کنفرم نہیں ہوں۔ اسی لیے ابھی اچھا نہیں لگا۔ میں نے سوچا پہلے پورا اطمینان دیتے۔“ پتا نہیں کیوں، بھیلہ کو ایسا لگا جیسے وہ جھوٹا ہے۔

”میں چائے بنا کر لاتی ہوں!“ وہ فضول بات کو جھٹک کر کھڑی ہوئی تو وہ بھی فوراً ہی اٹھ گیا۔

”نہیں، چائے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے چند ضروری کام ہیں، بس چلتا ہوں۔“

امی اور بھیلہ دونوں ہی حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔ عام طور پر جب وہ آتا تھا تو اٹھنے کا نام نہیں لیتا تھا اور دوپہر کا کھانا تو لازمی ہی تھا۔

”پھر آؤں گا فرصت سے!“ اس نے ان کی تسلی کی خاطر ہی کہا اور پھر فوراً ہی چلا بھی گیا۔ بھیلہ بہت دیر ملول سی ہوئی بیٹھی رہی۔ اگلے دن فیکٹری بھی نہیں گئی، سر درد کا بہانہ کر کے سارا دن اپنے کمرے میں ہی گزار دیا۔ اس سے اگلے روز جب وہاں پہنچی تو ایک نئی خبر وہاں بھی منتظر تھی، گو اس کے لیے اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی پھر بھی.....

”فخر کا ٹرانسفر کر دیا ہے یہاں سے ستار بھائی نے، اب وہ ان کی دوسری فیکٹری میں کام کرے گا۔ چلا گیا یہاں سے کل لٹچ بریک میں۔“

”اچھا.....!“ بھیلہ کو سن کر اچھا ہی لگا، خواہ مخواہ فیکٹری کا ماحول خراب ہو رہا تھا۔

”گنیمت تو کل بہت روئی، کہہ رہی تھی کہ سکیئر آ پا نے جان بوجھ کر فخر کو یہاں سے بھیجا ہے۔ لڑکیاں ان سے میری شکایتیں کرتی تھیں، کہیں اس کا اشارہ ہم دونوں کی طرف تو نہیں ہے۔“ شالی کے پاس خبر کے ساتھ خدشات بھی تھے۔

”ہمیں کیا پڑی ہے۔ گنیمت کی حرکتیں چھپی ہوئی تھوڑی ہیں سب ہی کو پتا ہے کہ یہاں کیا چل رہا تھا۔“ بھیلہ نے بے پروائی سے کہتے ہوئے اس طرف دیکھا، جس طرف اب گنیمت بیٹھتی تھی۔ درمیان میں قاصد تو تھا، مگر اتنا بھی نہیں کہ وہ گنیمت کے چہرے کی افسردگی کو نہ دیکھ پاتی۔ اب وہ سارا وقت اپنی جگہ پر ہی دکھائی دیتی۔

فخر کی جگہ نیا لڑکا آ گیا تھا ایک دوبارہ آتا جاتا دکھائی بھی دیا تھا۔ فخر سے زیادہ خوش شکل تھا، شالی اور بھیلہ دونوں ہی کو یقین تھا کہ گنیمت کی شوخیاں پھر سے رفتار پکڑنی شروع ہو جائیں گی مگر اب ایسا کچھ نہیں ہوا۔ گنیمت سارا وقت اپنی جگہ پر بیٹھی کام کرتی رہی اور چھٹی ہوتے



بڑی مشکل ہو جائے گی۔“ وہ گود میں رکھے ہاتھوں کو ہلکے ہلکے سے مسلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے وہاں جانے کی، یہاں کم از کم اپنے پیروں پر کھڑی ہو، ماں باپ کے سامنے میں رہ رہی ہو، وہاں جا کر ان لوگوں کی بے دام غلام بن کر رہ جاؤ گی اور بس.....“ بجیلہ کو یہ سوچ کر ہی برا لگ رہا تھا کہ شالی جیسی ستم رسیدہ ایک بار پھر اسی آزمائش کی بھٹی میں جھونکی جائے۔ کھیریل والے برآمدے میں نرم سی دھوپ پھیل رہی تھی اور فرش پر ہوا کے سرد جھونکوں سے ٹوٹ کر گرنے والے تیز پیلے پھول اڑتے پھر رہے تھے۔

”اماں زور تو نہیں دیتیں مگر دبے لفظوں میں کہتی ہیں کہ میں واپس چلی جاؤں، ان کا خیال ہے کہ اسی میں عزت ہے!“ شالی کی آواز اور دھیمی ہو لے گئی۔

کس کی عزت، اسی کیلئے اشرف کی جس نے ایک بار دھکا دے کر باہر نکالا..... واپس انہی کے دروازے پر جا کر پڑنا ضروری ہے کیا؟“ بجیلہ کو بہت زور کا غصہ آیا۔ شالی نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر بھی بجیلہ کے پیچھے کچھ دیکھ کر یکدم ہی چونک اٹھی۔

”ارے، اسے کیا ہوا؟“ بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا۔ بجیلہ نے یونہی بیٹھے بیٹھے مڑ کر دیکھا تھوڑے فاصلے پر ٹگینہ کھڑی تھی۔ تلگجے سے کپڑوں میں میک اپ کے بغیر اس کا چہرہ بڑا بے رونق سا لگ رہا تھا۔ پچھلے دو تین دن سے وہ یہاں نہیں آ رہی تھی اور اب آئی تھی تو اس وقت جب لڑکیاں کھانے کے وقفے میں باہر آئی بیٹھی تھیں۔

”کوئی بات ہے ضرور، ٹھہرو میں پوچھ کر آتی ہوں!“ شالی کہتی ہوئی اٹھی اور بجیلہ کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔ لڑکیوں کا ایک گروپ پہلے ہی ٹگینہ کو گھیرے کھڑا تھا۔

”صرف توجہ حاصل کرنے کے ڈرامے!“ لڑکیوں بعد جب وہ شالی کے کندھے سے لگ کر رو رہی تھی بجیلہ نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس کی طرف سے رخ پھیرا۔

ہی خاموشی سے گھر کو روانہ ہو جانی۔ ان کا روٹ ایک ہی تھا سو بس میں وہ الگ ہو کر بھی ساتھ ہی تھیں، شالی کی زبانی پتا چلا کہ وہ اب بھی فخر سے ملتی ہے۔ بجیلہ اور اس کے درمیان چھائی سرد مہری برقرار تھی کسی کسی وقت بجیلہ کا بڑا دل چاہتا کہ وہ اس کو احمر کی نئی نوکری کے بارے میں بتائے کہ اب وہ کتنی بہترین جگہ پر کام کر رہا ہے اور زمانے بھر کا چھپورا فخر اب بھی ستار بھائی کے کسی تنگ سے آفس میں بیٹھا گارمنٹس کا حساب کتاب دیکھتا ہو گا۔ دل ہی دل میں اس گھٹیا سی مقابلے بازی سے اسے بڑی خوشی حاصل ہوتی تھی۔

احمر کا آنا جانا اب کم ہو گیا تھا، نیا آفس نئی ذمے داریاں۔ گھر میں امی اب بجیلہ کی شادی کی تیاریوں میں مصروف رہنے لگی تھیں۔ پھپھو نے کہا تھا کہ اب جلد ہی وہ باقاعدہ تاریخ لینے والی ہیں۔

احمر کی بے اعتنائی کا سارا گلہ بجیلہ کے دل سے جاتا رہا تھا۔ اب تو اس نے دل میں یہ حساب جوڑنا بھی چھوڑ دیا تھا کہ احمر پر اس کا کتنا قرض باقی ہے۔ اب یہ حساب کسی خوبصورت لمحے میں بے باق ہونا تھا۔ اس بار صدف والا سلسلہ نہیں تھا۔ پھپھو اور ان کے گھرانے کو جہیز میں ہر شے کی توقع تھی اور یہ باتیں وہ یاد دہانی کے طور پر عرصے سے کر رہے تھے سو اس بار اچھی طرح تیاری درکار تھی۔ بجیلہ کی تنخواہ اب اسی مد میں خرچ ہو رہی تھی۔

شالی اسے خوش دیکھ کر خوش تو ہوتی مگر ساتھ میں تھوڑی سی ادا سی بھی گھیرتی۔ ”میں یہاں اکیلی ہو جاؤں گی، ٹگینہ کے ساتھ اب وہ پہلے والی بات ہی نہیں رہی، ویسے بھی اسے تو فخر کے علاوہ کچھ سوچتا ہی نہیں ہے اب۔“ شالی جب بھی زیادہ دل گھبراتا اسی طرح کی باتیں کرتی تھی، بجیلہ اسے مایوسی سے نکالنے کے لیے کچھ بھی کہتی وہ بے اثر ہی جاتا۔

”خالہ خالو کہتے ہیں کہ میں آ کر ان کے ساتھ رہنے لگوں مگر میں سوچتی ہوں کیا فائدہ، یہاں ہوں تو آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل والی بات ہے، وہاں رہوں گی تو اشرف اپنی بیوی کے ساتھ آتا جاتا دکھائی دے گا پھر

کھانے کا وقت اب ختم ہو رہا تھا، بجیلہ لہجے باکس بند کر کے واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھی، ساری لڑکیاں ایک ایک کر کے اندر آ رہی تھیں مگر نگینہ ان میں نہیں تھی اس کی سیٹ بدستور خالی تھی۔ تبھی اسے شالی اندر آتی دکھائی دی۔

”بے چاری نگینہ کے ساتھ بہت برا ہوا!“ وہ روں اب آگے پیچھے ہی بیٹھتی تھیں۔

”یہ نگینہ بے چاری کب سے ہو گئی ہے؟“ بجیلہ نے اس کی ایکساٹمنٹ کو یکسر نظر انداز کیا۔

”سنو تو سہی، فخر نے بہت برا دھوکا دیا ہے اسے، بے چاری تو بہت مخلص تھی اس کے ساتھ!“

”وہی روایتی کہانی!“ بجیلہ تیزی سے بخیہ کرنے لگی مگر شالی اس کی بے نیازی کو خاطر میں لائے بغیر وہ سارا قصہ سنانے کے لیے بے تاب تھی جو یہاں آدھی لڑکیوں کو تو معلوم ہو ہی چکا تھا۔

”بہت دن سے فخر غائب تھا جہاں کام کرتا ہے وہاں بھی نہیں آ رہا تھا، موبائل بھی بند تھا۔ نگینہ نے ہر جگہ

اسے تلاش کر لیا مگر کچھ فائدہ نہیں، اب کل اس کے کسی دوست نے بتایا ہے کہ اس نے وہاں حیدر آباد میں ہی نوکری کر لی ہے اور پچھلے جمعہ کو اس کا نکاح بھی ہو گیا ہے وہیں.....“

”کوئی نئی بات نہیں!“ بجیلہ کے اسہماک میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ”ایسی کہانیوں کا بھی انجام ہوتا ہے، تم کیا سمجھ رہی تھیں کہ فخر بہت عزت کے ساتھ نگینہ کا ہاتھ تھام لیتا، ظاہر ہے اسے یہی کرنا تھا جو اس نے کیا۔“ شالی خاموش سی ہو گئی۔ اسے امید تھی کہ پرانی دوستی کے صدقے ہی سہی بجیلہ، نگینہ کے لیے دو لفظ تو ہمدردی کے کہہ ہی دے گی۔

”نگینہ کی حالت بہت ردی ہو رہی ہے کہتی ہے مجھے منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا ہے اس فخر نے، آج یہاں سے اس کا حیدر آباد والا پتا پوچھنے آئی ہے مگر سیکینہ آپا نے بھی صاف انکار کر دیا ہے۔“ شالی کی آنکھوں میں سہم سا طاری ہو رہا تھا۔

”معلوم نہیں ان دونوں کی دوستی کس حد

ماہنامہ لکشمی جنوری 2008ء

== لکھنے کے علاوہ صرف عشق کیا ہے۔

== مجبوری ہے اپنے مداح قارئین سے فاصلہ رکھنا پڑتا ہے۔

== ادب کے ٹھیکے دار ڈائجسٹوں میں لکھنے والوں کو بے ادب سمجھتے ہیں۔

== 77 سال کا بوڑھا زنا نہ ڈبے میں سفر کرنا چاہتا ہے۔



یہ اور بہت سارے حتمی سوالات کے دلچسپ و معنی خیز جوابات

لاکھوں دلوں کی دھڑکن اور دنیا کی طویل ترین کہانی دیوتا کے تخلیق کار

محی الدین نواب کا دلکش کہانی کا مجموعہ **نواب صاحب** میں خصوصی اظہار خیال

نواب صاحب کی باتیں کے لیے **جنوری 2008** کا **لکشمی** کی **نواب** کی

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز فون: 5895313 فیکس: 5802551

تک.....؟" بھیلہ نے پل بھر کے لیے کام پر سے ہاتھ روک کر اس کی آنکھوں میں جسے خوف کو دیکھا اور پھر واپس مٹین پر دباؤ بڑھانے لگی۔ آج اسے زیادہ سے زیادہ کام ختم کر لینا تھا کیونکہ کل کی چھٹی لینی تھی۔ پھپھو نے گھر بلا لیا تھا اپنا گھر کرائے پر دے کر وہ نسبتاً بہتر علاقے میں آ بسی تھیں، یہ ان سے زیادہ احمر کی خواہش تھی، اب سے نہیں کتنے ہی عرصے سے اور اب جب اسے اچھی بھاری بھر کم تنخواہ مل رہی تھی تو اس نے اپنی خواہش کو پورا کرنے میں دیر نہیں لگائی۔



پھپھو کے گھر محفل میلاد تھی، پھپھو اصرار کے ساتھ بلا دادے گئی تھیں۔ بھیلہ کو یہ محفل سعید، اپنی متوج خوشیوں کا پیش لفظ ہی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس میں پوری تیاری کے ساتھ شرکت کرنا چاہ رہی تھی۔ اگلا سارا دن جیسے پر لگا کر اڑا۔ گلی میں ہی واقع بیوٹی پارلر سے آئی بروز بنوائیں، بال بہت اچھی طرح شیمپو کر کے پہلی بار ان میں کنڈیشنر بھی لگایا اور چہرے پر ماسک بھی، پنج ایک دن پہلے صدف آئی تھی تو کبھی تھی۔ سہ پہر کو جب وہ تیار ہو رہی تھی تو شخصیت میں ایک بڑا واضح نکھار محسوس ہو رہا تھا۔ ایک دم اسے جگینہ یاد آئی۔ یہی سب جو وہ آج بطور خاص کر رہی تھی، جگینہ کے معمول کا حصہ تھا۔ شاید چاہنے والی نظر کے آگے سراہے جانے کی خواہش بھی کی ایک جیسی ہوتی ہے۔

اسے اپنی اور جگینہ کی مماثلت عجیب سی لگی مگر آج کا دن فضول سوچوں کی نذر کرنے کے لیے نہیں تھا۔ صدف کو اپنے گھر سے ہی وہاں جانا تھا۔ یہاں سے بس وہ اور امی تھیں، امی کا خیال تھا کہ رکشا سے چلے جائیں گے مگر بھیلہ نے ٹیکسی پر اصرار کیا۔

"ٹیکسی میں زیادہ اچھا لگے گا امی، اتنی مدت بعد تو جارہے ہیں۔" امی خاموش ہو رہیں، وہ اپنا کمار ہی تھیں سو خرچ کرنے کو بھی دل چاہتا تھا۔

"تین سو سے کم نہیں لے گا ٹیکسی والا، اوپر سے کیک، مٹھائی پورے ہزار روپے کا نسخہ ہے۔" جب تک وہ لوگ گھر سے نکلیں، ابا بڑبڑاتے ہی رہے۔

پھپھو کا گھر کافی ٹھیک ٹھاک تھا۔ بتا بنایا ہوا ون یونٹ گھر زیادہ بڑا تو نہیں تھا مگر ان لوگوں نے اس سے پہلے اتنا فنشنگ والا گھر نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے تو کوئی گڑ بڑ لگ رہی ہے، بھلا کم سے کم بھی کیا کرایہ ہو گا اس گھر کا.....؟" صدف نے سرگوشی کی۔ میلاد شروع ہونے میں ابھی تھوڑا وقت باقی تھا اور پھپھو انہیں فخریہ انداز میں اوپر نیچے گھر دکھاتی پھر رہی تھیں۔ "آفس کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے اب وہاں اس گھر میں تو کوئی بٹھانے لائق جگہ بھی نہیں تھی، احمر کے پاس نے خود اس گھر کا انتظام کر کے دیا ہے، کرایہ تنخواہ سے کٹ جایا کرے گا۔"

"بھلا سمجھ میں آنے والی بات ہے آپ! " صدف سے پھر نہیں رہا گیا، بھیلہ اسے مستقل حنبلینی لگا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔ سرف امی تھیں جو ہر چیز کو دیکھ کر بہت خوشی سے ماشا اللہ کہے جا رہی تھیں۔ کچن بڑا اسٹائلش تھا اور حقیقتاً جگہ گارہا تھا۔

"اس گھر سے کم از کم ہمیں بغیر بگھار کی ہوئی دال کھا کر تو واپس نہیں جانا پڑے گا!" کسی یاد نے چٹکی سی لی تو صدف اپنی بات کہتے ہوئے قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ بھیلہ نے شکر کیا کہ پھپھو، امی کو لے کر وہاں سے جا چکی تھیں۔

پھپھو کی بیٹیاں تیار ہو کر اب کمرے سے برآمد ہونا شروع ہو گئی تھیں، ان دونوں کو دیکھ کر رسمی سی خوشی کا اظہار کیا اور پھر مہمانوں کو ریسیو کرنے میں لگ گئیں۔ گھر کے آگے والے لان میں تقریب کا انعقاد تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ آنے والوں میں زیادہ تر نئے چہرے ہیں، خاندان میں سے صرف گنتی کی دو چار خواتین ہی آئی تھیں، وہ بھی وہ جو نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھیں۔

"مجھے تو بڑا اطمینان ہوا یہاں آ کر، اللہ نے ہماری سن ہی لی۔" امی کے لہجے میں بڑی گہری طمانیت تھی۔ بھیلہ نے کن انکلیوں سے پھپھو کی طرف دیکھا کہ شاید وہ اس کے حوالے سے کوئی خوش امید بات کریں مگر آج وہ بہت مصروف تھیں۔ شاید ڈھنگ سے شادی

گھریلو ٹوٹکے

☆ کپڑے اور برتن دھوتے وقت دستانے پہننے کی عادت ڈالیں، یہ ہاتھوں کی حفاظت کے لیے بہت ضروری ہے۔ چھوٹی بچیوں کو شروع سے ہی دستانوں کی عادت ڈالیں۔

☆ آنکھوں کی سوچن دور کرنے کے لیے ان پر کٹے ہوئے آلور کھیں۔

☆ کپڑے دھونے سے پہلے ہاتھوں پر کوئی بھی چکنی چیز مل لیا کریں تاکہ پاؤڈر میں پایا جانے والا کاسٹک سوڈا ہاتھوں کی ملائمت پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

☆ کام کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح خشک کر کے کوئی سی بھی کریم ضرور لگائیں۔

☆ بار بار پانی سے ہاتھ دھونا اچھا نہیں ہوتا، اس سے گریز کریں۔

☆ کھانے کے بعد کینو یا لیموں کے چھلکے سے ہاتھوں کو صاف کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ہاتھ نرم ہوتے ہیں۔

☆ بعض اوقات گوشت ایسا آ جاتا ہے جو ہاتھوں میں ہی نہیں آتا۔ اس کے لیے آزمودہ نسخہ یہ ہے کہ خربوزے کے چھلکے سکھا کر رکھ لیں اور جب بھی ایسی صورت حال پیش آئے تو گوشت میں ڈال کر پکائیں گوشت گل جائے گا۔

☆ عرق لیموں میں ہم وزن گلیسرین ملا کر اس میں ایک چھوٹا چمچہ بورک ایسڈ ڈال کر تینوں کو یکجا کر لیں اور شیشی میں بھر کر رکھ لیں، ہاتھ دھونے کے بعد دن میں دو تین بار استعمال کریں، یہ عمل ہاتھوں کو نرم اور چمکنا رکھتا ہے اور ہاتھوں کی رنگت نکھارنے کے لیے بے مثال ہے۔

☆ ناخن اور انگلیوں کی پوروں پر کینو یا لیموں کے چھلکے ملتی رہا کریں، اس سے ناخن اور پوروں میں چمک آ جاتی ہے۔

شائستہ رمضان، کراچی

نہیں۔ خاندان کی خواتین نے البتہ امی کو خصوصی طور پر مبارکباد دی احمر کی جاب کی، سب کا خیال تھا کہ بس اب جادی ہونے میں کچھ ہی دن اور لگیں گے۔ خود کو موضوع شہرت بنا دیکھ کر جیلہ جھجک کر وہاں سے اٹھ گئی۔

مہمان خواتین ابھی آ ہی رہی تھیں۔ سامنے گیٹ سے کچھ ہٹ کر احمر کچھ لڑکیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے قدم بڑے نادانستہ سے انداز میں اس کی طرف اٹھ گئے۔ وہ ہماری شکلیں اس کے لیے انجان تھیں پھر بھی اتنا اندازہ تو ہو ہی گیا کہ وہ لوگ احمر کی کو لگ ہیں۔

”یہ میری کزن ہے جیلہ!“ اسے قریب کھڑا دیکھ کر احمر کو رسمی سا تعارف کرا نا پڑا۔

”اچھا!“ ان سب نے بڑی دلچسپی سے اس کا جائزہ لیا۔

”کیا کر رہی ہیں ابھی، پڑھ رہی ہیں یا کہیں جاب اشارٹ کر لی ہے؟“ وہ جواب بھی صرف ”کزن“ ہی میں چھپی غیریت کے مطلب معنی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، سوالات کی اس بو چھاڑ سے بالکل کنفیوز ہونے لگی۔

”گریمپویشن کر لیا ہے، اب فیشن ڈیزائننگ کر رہی ہے!“ سامنے کھڑا احمر بڑے اعتماد سے ان لوگوں کو اس کے بارے میں بتا رہا تھا۔ گارمنٹ فیکٹری میں نوکری کی بے عزتی کو چھیلنا اب اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی، پر یہ عزت افزائی بھی اس کے اعتماد کو بحال کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

”بہت دلچسپ سبجیکٹ ہے، مزہ تو بہت آتا ہو گا؟“ احمر کے بالکل ساتھ کھڑی وہ بے حد معمولی شکل کی لڑکی اس سے بڑے اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔ مشینوں کی گھر گھر سے گونجتا ہوا وہ بڑا سا ہال پل سے جی کمز تھے اس کی نگاہوں میں گھوما۔

”جی بہت۔“ وہ ہلکے سے کہہ کر واپس مڑ آئی، مینڈا شروع ہو گیا تھا۔ وہ سیدھی صدف کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”کہاں پھر رہی ہو تم، جب پچھو کی بیٹیاں ہمیں ملٹ نہیں دے رہیں تو کیا ضروری ہے کہ ہم خواجواہ بیچ

میں تھیں!“ صدف خفا ہونے لگی اور پھر میلاؤ کی محفل کا خیال آیا تو فوراً ہی خاموش بھی ہو گئی۔ بحیلہ اس بابرکت محفل سے تقریباً گم ہی رہی، بار بار درود شریف پڑھتے ہوئے وہ اس درس کی طرف پورا دھیان دینے کی کوشش کرتی جو بڑے موثر انداز میں دیا جا رہا تھا مگر سارا دھیان اس لڑکی کی طرف جا رہا تھا جو احمر کے ساتھ بہت قریب ہو کر کھڑی تھی اور ایک بار بھی یہاں آ کر نہیں بیٹھی تھی جب کہ اس کے ساتھ آئی دوسری لڑکیوں کو وہ یہاں مستقل موجود دیکھ رہی تھی۔ پھپھو، ان کی بیٹیاں بھی جب یہاں تھے تو آخر وہ کہاں تھیں۔

”کیا بات ہے؟“ صدف نے اسے بے چینی سے پہلو بدلتے دیکھ کر سرگوشی میں پوچھ ہی لیا۔

”کچھ نہیں، میں ذرا پانی پی کر آتی ہوں۔“ وہ اٹھ کر شامیانے سے باہر آنے لگی تبھی پھپھو تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آئیں۔

”بحیلہ، اوپر میرے کمرے میں سے گلاب کے پھولوں والا تھال تو اٹھا لاؤ بانٹنے کے لیے، یہ لڑکیاں تو بس بیٹھ ہی گئیں تیار ہو کر اسٹیج پر!“

”جی اچھا! اس نے ایک خاموش سی نگاہ پھپھو کی تینوں بیٹیوں پر ڈالی جو بطور خاص پڑھنے والیوں کے دائیں بائیں بیٹھ چکی تھیں۔

اس نئے گھر کے تینوں بیڈ رومز اوپر تھے، سیڑھیاں طے کر کے پھپھو کے کمرے سے گلاب کے پھولوں سے بھری کین کی باسکٹ اٹھانے میں اسے چند منٹ ہی لگے، اوپری لاؤنج میں صرف اسپاٹ لائٹس ہی جل رہی تھیں۔ سونا جاگتا یہ ماحول اتنا دلکش تو ضرور تھا کہ اسے چند پل کے لیے رک کر سراہ لیا جاتا۔ بحیلہ کے بھی قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھتے بڑھتے رکے تھے تبھی اسے جیسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس نے ادھر ادھر دیکھا، لاؤنج حقیقتاً خالی ہی تھا پر دوسری طرف آخری دروازہ نیم وا تھا۔

”معلوم نہیں یہ کس کا کمرہ ہے۔ لڑکیوں کا یا احمر کا!“ اس نے یاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے محض

ایک نظر دیکھ لینے کے خیال سے ہی چند قدم آگے بڑھائے تھے جو قدموں تلے سے زمین سر کی تھی۔ بہت دہل کر وہ اٹنے قدموں واپس پلٹی۔

”کوئی ہے احمر!“ ایک نسوانی آواز اسے سنائی دی۔

”ارے کوئی نہیں، تمہارا وہم ہے!“ احمر کی آواز میں بڑا خمار تھا۔

بحیلہ کو پلٹ کر دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ اس نے دیکھا۔ سیڑھیوں کو جتنی تیزی سے وہ طے کر سکتی تھی اس نے کی پھر بھی آخری سے چند سیڑھی اوپر اس کا پاؤں بری طرح پھسلا۔ گلابوں سے بھری ٹوکری الٹ کر سیڑھیوں پر اور نیچے فرش پر پھیل گئی تو وہ بے بس ہو کر وہیں بیٹھ گئی۔ گھٹنوں میں منہ چھپا کر اس نے خود کو کمپوز کرنے کی پوری ہمت کے ساتھ کوشش کی مگر آنسو بڑی روانی کے ساتھ اس کے چہرے کو تر کرتے رہے۔

چند لمحے یونہی خاموشی کے ساتھ دل پر سے ہوتے گزرے تبھی اسے لگا جیسے کوئی اس کے دائیں بائیں آ کر بیٹھا ہے، بحیلہ نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ بالکل سامنے قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا جس میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا مگر۔ یہاں وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ شالی اور نگینہ بھی تھیں۔ وہ چپ چاپ سامنے دکھائی دیتے اس عکس کو دیکھے گئی جہاں وہ تینوں ایک ساتھ موجود تھیں۔ مثلث کے تین زاویوں کی طرح الگ الگ بھی اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی بھی۔

”کیا ہے تقدیر کا بھید بھاء!“ اس نے ایک گہری سانس کھینچی! اپنے اپنے ارمانوں کی راکھ پر بیٹھی وہ تینوں کتنی ایک سی لگتی ہیں۔ بحیلہ نے ایک اور حیرت بھری نگاہ سامنے والے شیشے پر ڈالی۔

کتنی مماثلت..... اور وہ خود کتنی بڑی احمق تھی کہ مرد کی ذات کو پہچانے بغیر اپنے آپ کو دوسروں سے ”الگ“ سمجھنے کا زعم لیے بیٹھی تھی۔ ایک دم ہی اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ شالی اور نگینہ کو سامنے والے شیشے سے نکال کر گلے سے لپٹا لے۔
